ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JUHD-E-HAQ - April-2019 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 26......شمارہ نمبر 4......اپریل 2019

عورتوں کا عالمی دن 2019

انسانی حقوق کے عالمی دن

اپریل

2اپریل	خودفکری سے آگاہی کا عالمی دن
4اپریل	کانوں سے متعلق آگاہی اور کانوں سے متعلقہ کارروائیوں میں معاونت کا عالمی دن
6اپریل	ترقی اور امن کے لیے کھیل کا عالمی دن
7اپریل	روانڈا کے قتل عام کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
7اپریل	صحت کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)
12اپریل	خلا میں انسانی پرواز کا عالمی دن
22اپریل	مادر ارض کا عالمی دن
23اپریل	کتاب اور حق اشاعت کا عالمی دن
23اپریل	انگریزی زبان کا عالمی دن
25اپریل	ملیریا کا عالمی دن۔(ڈبلیو ایچ او)
26اپریل	ایجاد کے حقوق کا عالمی دن (ویپو)
28اپریل	دوران ملازمت سلامتی اور صحت کا عالمی دن
29اپریل	کیمیائی جنگ کے تمام متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
30اپریل	جاز (موسیقی) کا عالمی دن

فہرست

پریس ریلیزیں 03

2018 میں پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال کے حوالے سے اہم نکات 05

کرتارپور راہداری کے لیے زرعی اراضی پر سرکاری قبضے کی شکایات کی چھان بین 09

عورت مارچ: کوئی نیا بیانیہ تشکیل پا رہا ہے؟ 12

معاشرے کے ہاتھوں میں کیسے پوسٹر ہیں؟ 13

مردانہ ہدایت نامہ برائے عورت مارچ 14

عورتیں 15

عدم برداشت کے بیج 19

پاکستان کے دہشت زدہ مسیحی 20

پاکستان: ختم نہ ہونے والی جبری گمشدگیاں 21

مذہب کی جبری تبدیلی کے خلاف مسودہ قانون منظور کیا جائے

گھوٹکی میں دو کمسن ہندو لڑکیوں کے مبینہ اغواء اور انہیں جبری مسلمان بنائے جانے کے واقعے کے بعد، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سندھ اسمبلی سے مطالبہ کیا ہے کہ 'وہ مذہب کی جبری تبدیلی کو جرم قرار دینے والے مسودہ قانون میں نئی روح پھونکے اور اس کی منظوری کے لیے فوری اور سنجیدہ اقدامات کرے۔'

ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ اس بل کی منظوری اور نفاذ اشد ضروری ہے۔ اس وقت، مذہب کی جبری تبدیلی بہت آسان اور بہت عام ہے۔۔۔ مذہب کی رضا کارانہ تبدیلی کے بھیس میں۔ اور کمسن بچیاں اس کا خاص نشانہ بنتی ہیں۔ جبری تبدیلی مذہب کے حوالے سے بھیانک حقیقت یہ ہے کہ اسے جرم نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے ایسا مسئلہ بھی نہیں جانا جاتا جس کے بارے میں 'قومی دھارے' کے (مسلمان) پاکستان کو کوئی فکر لاحق ہو۔ گھوٹکی میں دو کمسن لڑکیوں کا اغواء اس کی واضح مثال ہے: انتہائی افسوسناک بات ہے کہ لڑکی کے والدین ایف آئی آر درج نہیں کروا سکے جو کہ اس طرح کے واقعات کے میں سب سے پہلا دفاع ہوتا ہے۔

ریاست اپنے تمام شہریوں کے مذہب یا عقیدے کا تحفظ کرنے کی پابند ہے۔ یہ حقیقت ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ مذہب کی جبری تبدیلی کے خلاف بل 2016 کو اس وقت کے گورنر جسٹس صبیح الدین نے منظور کیوں نہیں کیا تھا۔ کسی قسم کی کوئی وجوہات نہیں دی گئی تھیں، نہ ہی یہ واضح ہے کہ انہوں نے بل کو باقاعدہ طور پر واپس بھیج دیا تھا یا زیر غور حالت میں چھوڑا تھا۔ بالکل اسی طرح، سندھ حکومت کو چند مذہبی جماعتوں، جنہوں نے بل کی مخالفت کی تھی، کے زیر دباؤ نہیں آنا چاہیے تھا۔ موجودہ سندھ اسمبلی کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ بل کا دوبارہ جائزہ لے اور بل کے مندرجات یا اس کی اساس پر اعتراض کرنے والی انتہائی دائیں بازو کی مذہبی تنظیموں یا افراد یا جماعتوں کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے۔'

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 22 مارچ 2019]

کرتارپور کے رہائشیوں کو مناسب معاوضہ دیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے کرتارپور راہداری کی تعمیر کے لیے مقامی لوگوں سے اراضی لینے کے عمل پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ علاقے میں ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجنے کے بعد، ایچ آر سی پی نے کہا ہے کہ ' کرتارپور راہداری ہندوستان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات بہتر کرنے میں مددگار ثابت ہوگی مگر اس کے لیے لوگوں سے ان کے گھر اور ذرائع روزگار نہیں چھننے چاہئیں۔ ہمارے فیکٹ فائنڈنگ مشن نے بتایا ہے کہ اراضی کے حصول کے نتیجے میں کم از کم چھ گاؤں متاثر ہوں گے جن میں سے دو مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے۔

'بتایا گیا ہے کہ وزارت مذہبی امور نے کرتارپور گوردوارہ کے اردگرد 1,500 ایکڑ زمین لے لی ہے۔ ڈپٹی کمشنر نارووال کے اندازے کے مطابق، مستقبل میں مزید 1,500 ایکڑ اراضی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ یہ اراضی استعماری دور کے حصول اراضی ایکٹ 1894 کے تحت لی جا رہی ہے جس کا جھکاؤ اراضی کے حصول سے متاثر ہونے والے لوگوں کی بجائے ریاست کی طرف ہے۔ متعدد چھوٹے مالکان کا کہنا ہے کہ انہیں نہیں پتا کہ اراضی کے حصول کا منصوبہ کس ترتیب کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور انہیں کوئی معاوضہ ملے گا بھی کہ نہیں۔۔۔ نہ صرف ان کی زمینوں کا بلکہ اس عمل میں تباہ ہونے والی فصلوں کا بھی۔ گاؤں دودھے جو کہ 1500 سے 2000 خاندانوں کا مسکن ہے، کے باشندوں کو یہ ڈر بھی ہے کہ ان کا گاؤں مکمل طور پر تباہ کر دیا جائے گا، مگر وہ اپنی آبادکاری اور بحالی نو کے کسی بھی منصوبے سے لاعلم ہیں۔

' کسی بھی قسم کا مبینہ جبری انخلاء ناقابلِ قبول ہے اور حکومت کو چاہئے کہ وہ کوئی بھی اراضی حاصل کرتے وقت مناسب معاوضے کے حق کو مقدم رکھے۔ اسی طرح، معلومات کا حق بھی انتہائی اہم ہے۔ ان میں سے زیادہ تر خاندان کئی نسلوں سے یہاں مقیم ہیں اور یہ واضح نہیں ہے کہ انہیں معاوضے کے لیے کتنے عرصے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ اس بات کے پیش نظر کہ ان میں سے زیادہ تر خاندانوں نے تمام زندگی کھیتی باڑی کی ہے اور ان کے پاس وہ ہنر نہیں ہے جو پیشہ تبدیل کرنے کے لیے

ضروری ہے، ان لوگوں کے لیے کسی اور جگہ نقل مکانی کرنا اور اپنے گھر دوبارہ تعمیر کرنا انتہائی مشکل کام ہے، اور حصول اراضی ایکٹ 1894 اس مسئلے کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ علاوہ ازیں، اگرچہ ڈپٹی کمشنر نارووال نے کہا ہے کہ حکومت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ رہائشیوں کو ان کی زمین کا مقررہ قیمت سے زیادہ معاوضہ دیا جائے، تاہم انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ معاوضوں کی ادائیگی میں تاخیر ہوسکتی ہے۔

'ایچ آر سی پی حکوت پر زور دیتا ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ جب تک اس منصوبے سے متاثرہ رہائشیوں کی تسلی کے مطابق ان کی منظم مردم شماری اور تمام ضروری کوائف کی تیاری کا عمل مکمل نہیں ہوجاتا اس وقت تک کسی بھی قسم کی غیر رضا کارانہ آبادکاری عمل میں نہ لائی جائے۔ معلومات کی کمی کے پیشِ نظر، جیسا کہ بہت سے لوگوں نے شکایت کی ہے، لوگوں کے معاشی، سماجی یا ثقافتی حقوق کی کسی بھی پامالی کا ازالہ کرنے کے لیے شکایات کے ازالے کا شفاف اور مؤثر طریقہ کار تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔ کرتار پور میں زرعی زمین کی قیمتوں میں اضافے کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان کے معاوضے اور کاشتکاری کے لیے متبادل زمین کے مطالبے پر سنجیدگی سے غور کیا جانا چاہیے۔ حکومت کو ایک طویل المدت اقدام یہ کرنا چاہیے کہ وہ حصول اراضی ایکٹ 1894 میں ترمیم کرنے پر سنجیدگی سے غور کرے تاکہ پاکستان میں زمین کے حصول کے حوالے سے حقوق پر مبنی حکمت عملی تشکیل دی جاسکے۔'

[پریس ریلیز۔لاہور۔20مارچ2019]

افضل کوہستانی کا قتل قابل مذمت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے افضل کوہستانی کے قتل کی شدید مذمت کی ہے، جنہیں 6 مارچ کو ایبٹ آباد میں گولیاں مار کر ہلاک کردیا گیا تھا۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا: 'اس بات کا قوی امکان ہے کہ افضل کوہستانی کو اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ انہوں نے 2011 میں 'عزت' کے نام پر مبینہ قتل کے سلسلے کو منظر عام پر لانے میں کردار ادا کیا تھا، ایک ویڈیو جس میں شمالی کوہستان میں نوجوان مردوں اور عورتوں کے ایک اجتماع کو گاتے ہوئے اور شادی کے ایک سنگیت پر تالیاں بجاتے ہوئے دیکھا گیا کے آن لائن ہونے کے بعد۔

'ایچ آر سی پی کو مسٹر کوہستانی کے قتل کا بہت زیادہ دکھ ہے۔ ہم اس وجہ سے بھی تشویش میں ہیں کہ یہ قتل انسانی حقوق کے محافظین پر دوررس اثرات مرتب کرے گا جو 'عزت' کے نام پر قتل کے واقعات کی مانیٹرنگ اور رپورٹنگ کرتے ہیں اور ان کو یہ شدید احساس ہوا ہے کہ انہیں اپنے کام کی کیا قیمت چکانا پڑسکتی ہے۔

'ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ قتل کی فوری اور مکمل تحقیقات کی جائیں اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ ایسے واقعات سے پردہ اٹھانے والے انسانی حقوق کے کارکنوں کو پولیس کا تحفظ فراہم کرنا چاہیے جب ان کے پاس یہ محسوس کرنے کی ٹھوس وجہ ہو کہ ان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سول سوسائٹی اور ریاست دونوں کو ٹھوس اقدامات کرنے ہوں گے تاکہ انصاف کے متوازی نظام ختم ہوں جو 'عزت' کے نام پر قتل کے بہیمانہ ادارے کے لیے گنجائش اور جواز پیدا کرتے ہیں۔'

[پریس ریلیز۔لاہور۔08مارچ2019]

ضابطہ لباس انتخاب کے حق میں مداخلت ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے لاہور میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی (یو ای ٹی) کے جاری کردہ نوٹیفکیشن کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس میں مذکورہ یونیورسٹی کے طالب علموں کے لیے 'ضابطہ لباس' متعارف کیا گیا ہے جس کی رو سے دیگر چیزوں کے علاوہ، عورتوں کے لیے دوپٹہ پہننا لازمی ہے اور ان طالبعلموں کو جماعت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے جو ضابطہ لباس کی پاسداری نہیں کرتے۔

آج جاری ہونے والے ایک بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا 'انتخاب کا حق بنیادی حقوق کی روح ہے۔ ایک ایسے ضابطہ لباس کا نفاذ غیرضروری اور مضحکہ خیز ہے جو گھر سے باہر عورتوں کے لباس کے حوالے سے رجعتی سوچ کی حمایت کرتا ہے۔

یونیورسٹیوں کو اعلیٰ تعلیم کے ادارے اور ایسی جگہیں سمجھا جاتا ہے جو طالب علموں میں اپنی ذات کے بارے میں سوچنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ یو ای ٹی کا نوٹیفکیشن بنیادی جمہوری حق: حق انتخاب میں مداخلت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رائے دینا جو کہ اطلاعات کے مطابق، یونیورسٹی کی انتظامیہ نے دی ہے کہ دوردراز علاقوں سے آنے والے طالبعلموں کو نہیں پتہ کہ انہیں " کیسے زیب تن ہونا ہے " طالب علموں کی ہتک کے مترادف ہے اور اس سے عورتوں یا مردوں کے لیے فرسودہ ضابطہ لباس کے نفاذ کو کسی قسم کا جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں کے تعلیم لینے کے حق کی راہ میں اس طرح کی انتہائی معمولی چیزیں نہیں آنی چاہئیں کہ انہیں کس چیز کا انتخاب کرنا چاہیے۔'

[پریس ریلیز۔لاہور۔04مارچ2019]

حارث خلیق ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل مقرر

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) بصد مسرت یہ اعلان کرتا ہے کہ حارث خلیق صاحب کو ادارے کا سیکرٹری جنرل تعینات کیا گیا ہے۔

حارث خلیق ایک نامور شاعر، مصنف اور تصنیف و تالیف میں یونیورسٹی آف آئیووا کے اعزازی رکن ہیں۔ وہ صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی بھی وصول کرچکے ہیں۔ گزشتہ 25 سالوں کے دوران، انہوں نے پاکستان، جنوبی ایشیا اور یورپ میں سول سوسائٹی کی تنظیموں، کمیونٹی کی ترقی کے منصوبوں، محنت کشوں کے حقوق کی تحریکوں اور انسانی حقوق کی مہمات کے کامیاب انتظام و انصرام کے ساتھ ساتھ ان کی قیادت بھی کی اور انہیں تجاویز بھی دیتے رہے ہیں۔ وہ آغا خان فاؤنڈیشن، ایمنسٹی انٹرنیشنل، ایس پی او، ڈی اے آئی اور اقوام متحدہ کی مختلف ایجنسیوں کے علاوہ دیگر اداروں کے ساتھ بھی منسلک رہے ہیں۔ وہ قومی اور بین الاقوامی صحافت میں بھی باقاعدگی سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حارث خلیق نے جناب آئی اے رحمان کی جگہ سیکرٹری جنرل کا عہدہ سنبھالا ہے جو دو سال پہلے اس عہدے سے ریٹائر ہوگئے تھے۔ حارث خلیق پاکستان میں انسانی حقوق کے ممتاز ادارے ایچ آر سی پی کے ادارتی اہداف حاصل کرنے میں مدد دیں گے، اس کے سیکرٹریٹ کی صدارت کریں گے اور روزمرہ کے انتظام وانصرام کی نگرانی بھی کریں گے اور ایچ آر سی پی کی شریک بانی عاصمہ جہانگیر کے مشن کو آگے بڑھانے میں مدد دیں گے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔15مارچ2019]

2018 میں پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال کے حوالے سے اہم نکات

قوانین اور قانون سازی

- وفاقی پارلیمان نے 2018 میں کل 39 قوانین بنائے۔ یہ تعداد گزشتہ سال سے کچھ زیادہ ہے۔ 2017 میں 34 قوانین منظور کیے گئے تھے۔
- وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات (فاٹا) 31 مئی 2018 کو صوبہ خیبر پختونخوا میں ضم ہوئے۔
- خواجہ سراء افراد (تحفظ اور حقوق) ایکٹ 2018 منظور کیا گیا جو کئی معاملات کا احاطہ کرتا ہے اور خواجہ سرا افراد کو حق دیتا ہے کہ وہ مرضی کی جنسی شناخت کے مطابق اپنی پہچان کرواسکیں۔
- 2000 میں بنائے گئے آرڈیننس کی جگہ بچوں کے نظام انصاف کا ایکٹ 2018 منظور کیا گیا۔
- سندھ ایک مرتبہ پھر سب سے زیادہ قوانین بنانے والا صوبہ رہا، جبکہ پنجاب دوسرے نمبر پر رہا۔ سندھ حکومت کی جانب سے منظور کیے گئے دو اہم قوانین میں سندھ میٹرنیٹی بینیفٹس ایکٹ 2018 اور سندھ ہوبیسڈ ورکرز ایکٹ 2018 شامل تھے۔

انصاف کا انتظام وانصرام

- سال کے آخر تک، 250 سے زائد نچلی، خصوصی اور اعلیٰ عدالتوں میں 19 لاکھ مقدمات زیرِالتوا تھے۔
- قومی احتساب بیورو نے سال کے دوران بدعنوانی کے 440 ریفرنس دائر کیے، 503 ملزموں کو گرفتار کیا، 44,315 شکایات وصول کیں، اور 1,713 شکایات کی چھان بین کی۔
- اگرچہ عدالت عظمیٰ کی جانب سے ازخود نوٹس میں اضافہ دیکھنے میں آیا، تاہم نظام انصاف کی اصلاح کے دیرینہ مسئلے کو ایک مرتبہ پھر نظرانداز کیا گیا۔
- سال کے آخر تک، 4,668 قیدی سزائے موت کے منتظر تھے۔ 2014 سے اب تک کم از کم 500 افراد کو پھانسی دی جا چکی ہے، جن میں سے 14 کو 2018 کے دوران پھانسی دی گئی۔
- سپریم کورٹ کی جانب سے آسیہ بی بی کی رہائی کا تاریخی فیصلہ اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ ایک ناقص عدالتی نظام میں بھی، قانون کی حکمرانی ایک بے گناہ فرد کے تحفظ کی اہلیت رکھتی ہے۔

پاکستان اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی نظام ہائے کار

- پاکستان نے انسانی حقوق کونسل کا رکن منتخب ہونے کے موقعے پر اس بات کی تصدیق کی تھی کہ 'وہ عالمی انسانی حقوق اور تمام افراد کی بنیادی آزادیوں کو برقرار رکھنے، فروغ دینے اور ان کا تحفظ کرنے کے لیے پرعزم ہے'۔
- ایچ آر سی پی نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ پاکستان نے انسانی حقوق کے بنیادی امور کو صرف 'نوٹ' کیا ہے۔ ان میں دیگر امور کے علاوہ، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث سکیورٹی فورسز کے خلاف تحقیقات اور قانونی کارروائی، کمزور طبقات کے خلاف امتیازی قوانین میں ترمیم کرنا، توہین مذہب کے قوانین کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے مؤثر اقدامات کرنا، اور مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد کا استعمال شامل ہے۔
- ماورائے عدالت ہلاکتوں؛ انسانی حقوق کے محافظین کی صورتحال؛ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے دوران انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ؛ مذہب یا عقیدے کی آزادی اور ایذارسانی اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز برتاؤ یا سزا کے حوالے سے اقوام متحدہ کے خصوصی مندوبین کی ملکی دورے کی درخواستیں تاحال زیرالتوا ہیں۔
- پاکستان نے آئی ایل او کے آٹھ بنیادی معاہدوں کی توثیق تو کی ہے لیکن ان کا کبھی بھی مکمل اطلاق نہیں کیا۔

امن وامان

- سال کے دوران، پولیس کی جانب سے بلیک میلنگ اور بھتے، چھاپوں کے دوران تشدد اور ہراسانی، زیرِ حراست اموات، ایف آئی آر کے اندراج سے انکار اور بدعنوانی کی متعدد شکایات موصول ہوئیں۔
- ایچ آر سی پی مانیٹر کے اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ خواتین کے خلاف جنسی تشدد کے 845 واقعات پیش آئے اور مرد و خواتین کے خلاف 'غیرت' کے نام پر جرائم کے 316 واقعات پیش آئے۔ یہ کم سے کم اعداد وشمار ہیں۔

- بچوں کے خلاف جنسی زیادتی کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ ایک رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ گزشتہ سال کی نسبت 2018 کے پہلے چھ ماہ کے دوران ایسے واقعات میں 32 فیصد، لڑکوں کے خلاف جنسی زیادتی کے واقعات میں 47 فیصد، 0 سے 5 سال کی عمر کے بچوں کے خلاف جنسی زیادتی کے واقعات میں 75 فیصد اضافہ ہوا۔
- قانون سازی کے باوجود، سال کے دوران خواجہ سرا برادری کے خلاف تشدد جاری رہا۔
- پاکستان بھر میں سائبر جرائم اور آن لائن ہراسانی میں نمایاں اضافہ دیکھا گیا۔

جیلیں اور قیدی

- ملک بھر کی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ قیدی سب سے بڑا چیلنج بنا رہا۔ ملک کی جیلوں میں گنجائش سے زائد قیدیوں کا تناسب 57 فیصد تھا۔
- بلوچستان کی جیلوں کے بارے عدالت عظمیٰ میں جمع کروائی گئی این سی ایچ آر کی رپورٹ کے مطابق، جیلوں کے انتظام و انصرام میں انسانی حقوق پر مبنی طریقہ کار اپنانا نہایت اہمیت کا حامل تھا۔
- این سی ایچ آر کی ایک اور رپورٹ میں اس بات کا بھی مشاہدہ کیا گیا کہ خیبر پختونخوا کی جیلوں میں ذہنی طور پر بیمار قیدیوں کی حالت خاص طور پر خراب تھی۔
- مئی میں عدالت عظمیٰ کو بتایا گیا کہ حکومت نے 1,330 افراد کو حراستی مراکز میں بھیجا جبکہ دیگر 253 کو رہا کیا۔
- وزارت داخلہ کے مطابق، غیر ملکی جیلوں میں قید پاکستانیوں کی تعداد 12000 تھی۔

نقل وحرکت کی آزادی

- ایگزٹ کنٹرول لسٹ (ای سی ایل) کا بے جا استعمال

خبروں کی زینت بنا رہا۔

- سیاسی اور احتجاجی ریلیوں میں شرکت کرنے والے لوگوں کی نقل و حرکت پر سرکاری پابندیاں عائد کی گئیں۔
- احتجاج، دھرنوں اور ٹریفک جام کی وجہ سے ملک بھر میں شہریوں کی نقل و حرکت میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔
- پاکستان میں گوردوارہ دربار صاحب کو ہندوستانی پنجاب میں ڈیرہ بابا نانک سے ملانے والی کرتار پور راہداری کا 28 نومبر کو سنگ بنیاد رکھا گیا۔

سوچ، ضمیر اور مذہب کی آزادی

- مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد میں کوئی نمایاں کمی واقع نہیں ہوئی، اور لوگوں اور املاک پر حملوں کی اطلاعات موصول ہوتی رہیں۔
- اکتوبر میں، عدالت عظمیٰ نے ایک تاریخی فیصلے میں آسیہ بی بی کو توہین رسالت کے الزامات سے بری کر دیا۔ فیصلے کے بعد ملک بھر میں پائی جانے والی بے چینی کے باعث حکومت کو فیصلے پر نظر ثانی پر اتفاق کرنا پڑا۔
- اسلام آباد ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ شہریوں کی شناخت ان کے مذہب کے ذریعے کی جانی چاہئے اور سرکاری اور نیم سرکاری ملازمتوں کے لیے درخواست دینے والے افراد کو اہلیت کے معیار پر پورا اترنے کے لیے اپنا عقیدہ ظاہر کرنا ہوگا۔
- حکومت نے عاطف میاں کا اقتصادی مشاورتی کونسل کے رکن کے طور پر تقرر کیا۔ ان کا تعلق احمدی برادری سے ہونے کی وجہ سے اس اقدام پر شدید ردعمل دیکھنے میں آیا جس پر حکومت نے ان کی نامزدگی کا فیصلہ واپس لے لیا۔
- پنجاب حکومت نے ایک تاریخی بل 'پنجاب سکھ آنند کرج میرج ایکٹ 2018 منظور کیا جو سکھوں کی شادیوں کی انجام دہی اور اندراج کا احاطہ کرتا ہے۔

اظہار رائے کی آزادی

- انتخابات کے دنوں میں، تقریر اور اظہار رائے کی آزادی پر پابندیاں بے مثال سطح پر پہنچ گئیں۔
- میڈیا کوریج میں کئی مرتبہ رکاوٹ پیدا ہوئی اور صحافیوں کو دھمکایا گیا جس پر انہوں نے خود پر سنسر شپ عائد کر لی۔ ایسا خاص طور پر سرکاری سیکیورٹی اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے علاوہ جنگجوؤں کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں کی رپورٹنگ کے حوالے سے دیکھا گیا۔
- حکومت نے اعلان کیا کہ وہ 'پاکستان میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی' کے قیام کا ارادہ رکھتی تھی جس پر میڈیا نے تشویش کا اظہار کیا۔ میڈیا کے مطابق یہ صحافت کی آزادی کو محدود کرنے کا ایک اور حربہ تھا۔
- پاکستان کی انٹرنیٹ کی آزادی کی درجہ بندی 2018 میں کم ہوگئی جس کا سبب سائبر جرائم کے غیر واضح قانون، انٹرنیٹ کی بندش، اور سیاسی اختلاف رکھنے والوں کے خلاف سائبر حملوں کو قرار دیا گیا۔ یہ تمام اقدامات قومی سلامتی کے نام پر کیے گئے۔
- فریڈم نیٹ ورک کی ایک رپورٹ نے مئی 2017 سے اپریل 2018 کے دوران ملک بھر میں 150 خلاف ورزیاں قلمبند کیں۔ ان میں صحافیوں اور ذرائع ابلاغ کے اداروں کو زبانی دھمکیاں، قتل، ہراسانی، گرفتاریاں، اغواء، غیر قانونی حراست، اور جسمانی حملے شامل ہیں۔

اجتماع کی آزادی

- ریلیوں اور احتجاجی مظاہروں کو محدود کرنے یا ان میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے کارکنوں کی پیشگی حراست کا مسلسل استعمال کیا گیا، ایسا خاص طور پر انتخابات سے پہلے کے مہینوں میں دیکھا گیا۔
- ریلیوں کو جانے والے راستے بلاک کر دیے گئے اور میڈیا کوریج بند کر دی گئی۔
- کہا جاتا تھا کہ حکومت سڑکوں پر پرتشدد احتجاجی مظاہروں اور حساس مذہبی معاملات پر نفرت انگیز تقریر پر قابو پانے اور اس بات کو یقینی بنانے کے لیے ایک جامع حکمت عملی تشکیل دے رہی تھی کہ لوگوں کی جان و مال کا تحفظ کیا جا سکے۔
- پولیس نے پرامن احتجاجی مظاہروں میں رکاوٹ ڈالنے یا انہیں منتشر کرنے کے لیے طاقت کا تسلسل کے ساتھ استعمال کیا۔ ان میں بصارت سے محروم افراد بھی شامل تھے جو ملازمتیں اور تنخواہیں نہ ملنے کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔

انجمن سازی کی آزادی

- یونین سازی میں رکاوٹیں، بعض مزدوروں کے یونین کا حصہ بننے پر پابندی تھی، بعض قسم کی ہڑتالوں پر پابندیاں اور انہیں ختم کرنے کے لیے استعمال ہونے والے طریقے اور ملازمت سے برخاستگی کا خدشہ، ایسے عوامل تھے جو ٹریڈ یونینوں کے افزائش کی راہ میں حائل رہے۔
- 2018 میں آئی این جی اوز پر پابندیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ 18 آئی این جی اوز کو 30 نومبر تک ملک چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔
- طلباء یونینیں بحال کرنے کا معاملہ زیرالتوا اور تصفیہ طلب ہی رہا۔
- سماجی تحریکوں اور بعض سیاسی تنظیموں کے کارکنوں اور حامیوں کو دھمکیوں اور غداری اور دہشت گردی کے الزامات کا سامنا رہا۔

سیاسی عمل میں شرکت

- عام انتخابات قبل از انتخابات سازش اور دھاندلی سے متاثر رہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے کبھی حل نہیں کیا گیا، اور یہ بات واضح تھی کہ انتخابات سے پہلے کے ماحول نے تمام جماعتوں کو انتخابات لڑنے کے مساوی مواقع فراہم نہیں کیے۔
- انتخابی عمل کی شفافیت پر اس وقت شکوک و شبہات پیدا ہوئے جب سکیورٹی فورسز نے پولنگ ختم ہونے کے بعد پولنگ اسٹیشنوں کا کنٹرول سنبھال لیا، اور تمام پولنگ ایجنٹوں سے کہا کہ وہ اپنی نشستیں چھوڑ دیں اور ایک گھنٹے کے بعد واپس آئیں۔
- قبل از انتخابات ریلیوں اور اجتماعات کے علاوہ پولنگ اسٹیشنوں کو ایک مرتبہ پھر بم حملوں کے ذریعے نشانہ بنایا گیا، لیکن یہ واقعات 2013 کے انتخابات کی نسبت کم تھے۔
- میڈیا نے انتخابات میں کالعدم تنظیموں کے انتخابات میں حصہ لینے کی جانب توجہ دلائی تاہم یہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔
- ایک نمایاں پیش رفت پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کا ظہور اور اس پر حکومت کا ردعمل تھا۔

خواتین

- صنفی عدم مساوات کے عالمی گوشوارے 2018 کے مطابق پاکستان صنفی برابری کے حوالے سے ایک مرتبہ پھر بدترین ملک رہا۔
- خواتین کے حقوق کے لیے بنائے گئے قوانین کے باوجود خواتین کے خلاف تشدد اور غیر قانونی سرگرمیاں نہ صرف جاری رہیں بلکہ ان میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔
- 70 فیصد خواتین اور لڑکیاں زراعت کے شعبے سے وابستہ تھیں اور ان کے 60 فیصد کام کا معاوضہ نہیں دیا گیا۔
- ماضی میں ہونے والے انتخابات کی نسبت خواتین نے زیادہ تعداد میں 2018 میں عام نشستوں پر

انتخاب لڑا۔ خواجہ سرا امیدواروں نے پہلی مرتبہ انتخابات میں حصہ لیا۔ پہلی شیدی خاتون سندھ اسمبلی، اور پہلی ہندو دلت خاتون سینیٹ کی رکن منتخب ہوئیں۔

- خواجہ سرا افراد (حقوق کا تحفظ) ایکٹ 2018 منظور کیا گیا جس کے تحت انہیں یہ حق ملا کہ وہ اپنی مرضی کی جنسی شناخت کو تسلیم کرا سکیں، اور ان کے خلاف متعدد شعبوں میں ہونے والے امتیازی سلوک کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔

بچے

- بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو نشانہ بنایا گیا اور اس مسئلے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایسے واقعات تواتر سے پیش آتے رہے۔
- بچوں کی مشقت پر پابندی کے قانون کے باوجود صنعتوں اور گھروں میں یہ سلسلہ جاری رہا اور گھروں میں کام کرنے والے بچوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات منظر عام پر آتے رہے۔
- اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق، پاکستان میں صرف چار فیصد بچے ایسے ہیں جنہیں 'کم از کم قابل قبول خوراک' ملتی ہے۔
- سندھ کے علاقے تھر میں یکم جنوری سے 31 دسمبر 2018 تک 638 بچے خوراک کی کمی کے باعث ہلاک ہوئے ہیں۔
- قومی کمیشن برائے حقوق اطفال (این سی آر سی) ایکٹ 2017 میں منظور ہوا تھا مگر ابھی تک کمیشن قائم نہیں ہو سکا۔

محنت کش

- سندھ حکومت نے شعبہ محنت سے متعلق بہت زیادہ قوانین منظور کیے، جن میں گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے منظور ہونے والا قانون بھی شامل ہے جو اپنی نوعیت کا پہلا قانون ہے۔
- عام طور پر، محنت سے متعلق اصولوں، انسانی حقوق سے متعلقہ آئی ایل او اور یو این کے معاہدات پر عملدرآمد بدستور ایک بڑا چیلنج ہے۔
- بلوچستان اور دیگر صوبوں میں کئی کان کن جان لیوا حادثات میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے جبکہ جائے روزگار پر حفاظت اور صحت کے معیارات کے نفاذ پر کوئی پیش رفت نظر نہیں آئی۔
- قانون سازی کے باوجود، پاکستان کا عالمی گوشوارے 2018 میں آٹھواں نمبر تھا۔ اندازے کے مطابق تین ملین (30 لاکھ) افراد جدید غلامی/ جبری مشقت کا شکار ہیں۔
- ایک اندازے کے مطابق ملک میں 12 ملین (ایک کروڑ، 20 لاکھ) بچے مشقت کرتے ہیں۔

بزرگ شہری

- یو این ایف پی اے کے مطابق، پاکستان میں بزرگ شہریوں کی موجودہ 11 ملین (ایک کروڑ، 10 لاکھ) کی تعداد 2050 تک 43 ملین (چار کروڑ، 30 لاکھ) ہو جائے گی۔
- بزرگ شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے موجودہ قوانین کا نفاذ اور نئے قوانین بنانے کا عمل تکلیف دہ حد تک سست ہے۔

> بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو نشانہ بنایا گیا اور اس مسئلے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایسے واقعات تواتر سے پیش آتے رہے۔

- ان لوگوں کے لیے رہائش اور صحت کی سہولیات کا فقدان ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔
- غیر رسمی شعبہ ہماری معیشت کا 70 فیصد ہے اس کے باوجود یہ شعبہ ایمپلائز اولڈ بینیفٹ ایکٹ 1976 کے دائرے سے باہر ہے۔

معذوری کا شکار افراد

- معذوری کا شکار افراد پر قابل تصدیق اعداد و شمار کے باعث ان کی تعداد کے حوالے سے مختلف آراء ہیں مگر ڈبلیو ایچ او کے مطابق 15 فیصد لوگ معذوری کا شکار ہیں۔
- معذوری کا شکار افراد حقوق کے عالمی معاہدے جس کی پاکستان نے 2011 میں توثیق کی تھی، کی روشنی میں بننے والے قوانین کا ابھی تک مکمل نفاذ ہونا باقی ہے اور ان میں بہتری کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔
- تاہم معذوری کے شکار افراد کی خودمختاری کا سندھ ایکٹ 2018 سی آر پی ڈی کے اصولوں پر مبنی ہے اور معاملات کو حقوق کے تناظر سے دیکھتا ہے۔
- معذوری کا شکار بچوں اور لوگوں کی تعلیم، تربیت اور روزگار کو بہت زیادہ نظر انداز کیا گیا ہے۔
- پاکستان میں معذوری کے ساتھ جڑے کلنک اور توہم پرستی معاشرے میں پی ڈبلیو ڈیز کو معاشرے میں شامل ہونے سے روک رہے ہیں۔

مہاجرین اور آئی ڈی پیز

- نادرا کے مطابق، پاکستان میں رجسٹرڈ افغان شہریوں کی تعداد 2.8 ملین (28 لاکھ) سے زیادہ ہے جن میں سے 1.6 ملین (16 لاکھ) کے پاس ثبوت برائے اندراج کارڈ ہے۔ کم از کم ایک ملین (دس لاکھ) غیر رجسٹرڈ افغان شہری ملک میں رہ رہے ہیں۔
- 2018 میں کل 13,584 افغانوں کی پاکستان سے افغانستان رضا کارانہ واپسی ہوئی۔ یہ تعداد 2017 سے کافی کم ہے جب 57,411 افغان رضا کارانہ طور پر اپنے ملک واپس گئے تھے۔
- ایف ڈی ایم اے کے مطابق، اندازاً 16,136 آئی ڈی پیز خاندان ابھی تک اپنے علاقے میں واپس نہیں گئے۔
- حکومت نے کہا تھا کہ پاکستان میں پیدا ہونے والے 1.5 ملین (15 لاکھ) افغانوں کو پاکستان کی شہریت دی جا سکتی ہے مگر بعد میں کہا گیا کہ یہ اعلان اس معاملے پر بحث چھیڑنے کے لیے کیا گیا تھا۔
- یہ تاثر قائم رہا کہ تمام افغان مہاجرین مجرمانہ اور دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ ان کی مسلسل ہراسانی اور ان کے خلاف جارحیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس تاثر کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

تعلیم

- اطلاعات کے مطابق سکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد 22.63 ملین سے بڑھ کر 22.84 ملین ہو گئی ہے۔ ایک اور رپورٹ مثبت پیش رفت کی عکاسی بھی کرتی ہے جس میں بتایا گیا کہ چھ سے 16 برس کی عمر کے بچوں کے داخلہ کی شرح 2016 میں 81 فیصد تھی جبکہ 2018 میں یہ 83 فیصد ہو گئی ہے۔
- جی ای ایم 2019 کے مطابق پرائمری کی سطح تک بچوں کی صرف آدھی تعداد ہی پڑھنے اور حساب کتاب کرنے میں کم از کم معیار پر پورا اتر سکی ہے جبکہ اے ایس ای آر رپورٹ 2018 میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کی سیکھنے کی صلاحیت بہتر ہوئی ہے۔
- عدالت عظمیٰ نے طبقہ امراء کے سکولوں میں فیسیں

بڑھنے کے معاملے کا نوٹس لیا تھا۔

- اکتوبر میں وسطی مدت بجٹ میں اعلیٰ تعلیمی کمیشن کا بجٹ 5ارب روپے کم کر دیا گیا۔
- شدت پسندوں نے گلگت بلتستان، خیبر پختونخوا کے قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں 12 سکولوں کو آگ لگائی۔ان میں سے زیادہ تر لڑکیوں کے سکول تھے۔
- پنجاب، کے پی اور دیگر صوبوں سے جسمانی سزا کی اطلاعات موصول ہوتی رہیں۔

صحت

- شعبہ صحت پر ملک کا خرچہ اس کے جی ڈی پی کا ایک فیصد بھی نہیں بنتا جبکہ ڈبلیو ایچ او کا کہنا ہے کہ یہ 6 فیصد ہونا چاہیے۔
- صحت کی سرکاری سہولیات کے معیار اور پہنچ کے غیر تسلی بخش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہت بڑی آبادی کا انحصار نجی شعبہ پر ہے جو کہ بہت زیادہ لوگوں کے لیے بہت زیادہ مہنگا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ غیر تربیت یافتہ ڈاکٹروں اور عطائیوں کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس کے عموماً انتہائی نقصان دہ نتائج نکلتے ہیں۔
- پاکستان ایسوسی ایشن برائے ذہنی صحت کے مطابق، پاکستان میں ذہنی مسائل میں مبتلا لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔اس بات کے شواہد نہیں ہیں کہ پاکستان نے ڈبلیو ایچ او کے ذہنی صحت پر جامع ایکشن پلان کے حوالے سے کوئی مربوط حکمت عملی بنائی ہو۔
- متعدی بیماریوں پر قابو پانا ایک بڑا چیلنج رہا، جبکہ غیر متعدی بیماریوں جیسے کہ دل کی بیماری، فالج کا حملہ، ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر، اور مختلف قسم کے سرطان میں اضافہ ہو رہا ہے۔

رہائشی سہولیات

- زمین ہتھیانے اور ناجائز تجاوزات کے خلاف چند قابل ذکر اقدامات کیے گئے، مگر ان رجحانات اور غیر قانونی قبضے اور چائنہ کٹنگ کا سلسلہ جاری رہا، خاص طور بڑے شہروں میں۔
- ایک ایسی صورتحال میں جبکہ ملک میں تقریباً سات سے 10 ملین (70 لاکھ سے ایک کروڑ) گھروں کی قلت ہے، حکومت کا ملک بھر میں 5 ملین (50 لاکھ) سستے گھر بنانے کا وعدہ بہت بڑا چیلنج ثابت ہوسکتا ہے، خاص طور پر اس اعلان کے بعد کہ درخواست گزاروں کو اپنے گھروں کی تعمیر کی 20 فیصد لاگت برداشت کرنا ہوگی۔
- حکام کو 'غیر قانونی' مکینوں کو رہائشی علاقوں سے بے دخل کرنے اور غیر قانونی عمارتوں کو گرانے کے دوران بعض اوقات شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔
- چھت اور دیواریں گرنے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کی متعدد اطلاعات نے گھروں اور عمارتوں کی تعمیر کے غیر معیاری ہونے کی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔

ماحولیات

- ذیل کے ماحولیاتی پرفارمنس گوشوارے 2018 کے مطابق، پاکستان میں آبی آلودگی، صفائی کے فقدان، اور بھاری دھاتوں کے ملک پر پڑنے والے اثرات کے باعث ہر سال 340,000 اموات ہوتی ہیں۔
- پاکستان ماحولیاتی تبدیلی سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے دس ممالک میں شامل ہے۔ گزشتہ دو عشروں کے دوران شدید قسم کے موسمی واقعات نے ملک کی آبادی اور معیشت کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔
- اطلاعات کے مطابق، بلوچستان، سندھ اور ملک کے دیگر حصوں کو خشک سالی جیسی صورتحال کا سامنا رہا، اور تھر کا علاقہ خاص طور پر متاثر ہوا۔
- عالمی بینک کی ایک رپورٹ میں فضلے کو ٹھکانے لگانے کے نظام اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی میں وسائل صرف کرنے کی تجویز پیش کی گئی تاکہ بیماریوں کے پھیلاؤ پر قابو پایا جاسکے۔
- پاکستان کول فائرڈ پلانٹس لگا رہا ہے باوجود اس حقیقت کے کہ دنیا میں رکازی ایندھن (Fossil Fuel) کی جگہ قابل تجدید ایندھن استعمال کرنے کا رجحان پروان چڑھ رہا ہے۔ تھر کول سی پیک کے مجوزہ 17 پاور پلانٹس میں سے نو کو ایندھن فراہم کرے گا۔
- اطلاعات کے مطابق، پنجاب حکومت بہاولپور میں قائداعظم سولر پاور پراجیکٹ کا فورینسک آڈٹ کروا رہی تھی کیونکہ پراجیکٹ اور اس سے پیدا ہونے والی بجلی کی لاگت پر سوالات اٹھائے گئے تھے۔

(ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ ''2018 میں انسانی حقوق کی صورتِ حال'' سے اقتباس)

☆☆☆

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔

جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے نیچے دی گئی ویب سائٹ پر موجود ہیں

www.hrcp-web.org

کرتارپور راہداری کے لیے زرعی اراضی پر سرکاری قبضے کی شکایات کی چھان بین

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو کرتارپور کے متعدد چھوٹے کسانوں کی طرف سے شکایات موصول ہوئیں جن کی زمینیں راہداری کے نقشے پر واقع ہیں۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ:

☆ ضلعی حکومت کرتارپور راہداری کی تعمیر کے لیے گوردوارا دربار صاحب، جو کرتارپور صاحب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کے اطراف میں واقع دیہات میں ان کی زمینوں کو اپنے قبضے میں لے رہی ہے جس کا مقصد سرحد کے دونوں اطراف میں موجود سکھ یاتریوں کی رسائی کو آسان بنانا ہے۔

☆ حکومت راہداری کی تعمیر کے لیے کوٹھے خورد کے پورے گاؤں کو اپنا آبائی علاقہ خالی کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

☆ ضلعی انتظامیہ نے ضلع نارووال کی تحصیل شکرگڑھ کے تقریباً 600 دیہاتیوں کے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھر فوری طور پر خالی کر دیں۔

☆ راہداری کی تعمیر کے لیے کچھ دیہات کو مسمار بھی کیا جائے گا اور حکام نے ان دیہات کے رہائشیوں کو کہا ہے کہ وہ جتنا جلد ممکن ہو سکے اپنے گھروں کو خالی کر دیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے صورتحال سے متعلق حقائق جمع کرنے کے لیے ایک پانچ رکنی فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجا جس میں ایک وکیل اور ایک صحافی بھی شامل تھے۔ کمیشن نے متاثرہ لوگوں کی شکایات کے ازالے اور مستقبل میں سرکاری مقصد کے لیے زمین کے حصول کے حوالے سے اصلاحی اقدامات بھی تجویز کیے۔

ٹیم نے 18 مارچ 2019 کو دیہاتیوں اور ڈپٹی کمشنر کا موقف جاننے کے لیے ان سے ملاقات کی اور دربار صاحب اور اس کے گردونواح کے علاقوں کا دورہ کیا تاکہ وہاں پر جاری کام، کھڑی فصلوں، اور درختوں کی تباہی کا جائزہ لیا جا سکے۔

پس منظر

کرتارپور جس کا مطلب 'خدا کی جگہ' ہے پنجاب کے ضلع نارووال کی تحصیل شکرگڑھ میں واقع ہے۔ کرتارپور صاحب گوردوارا کی شاندار سفید عمارت کرتارپور میں 2.5 کلومیٹر شکرگڑھ روڈ پر سرسبز کھیتوں کے وسط میں واقع ہے۔ سکھ مت کے پہلے گورو، گورو نانک نے 1504ء میں کرتارپور کی بنیاد رکھی اور ان کے پیروکاروں میں تمام مذاہب اور ذاتوں کے لوگ شامل تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سترہ سال یہیں گزارے۔

کرتارپور صاحب ہندوستانی سرحد سے محض 4 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ ڈیرہ بابا نانک سرحد کی دوسری طرف واقع ہے۔ اگر موسم صاف ہو تو دونوں اطراف واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ تاہم، عام پاکستانی اور ہندوستانی کے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد کے آر پار سفر پر پابندی ہے۔ اس وقت، سرحد کو جانے والا غیر ہموار راستہ کھیتوں کے بیچ میں سے گزرتا ہے۔

کرتارپور راہداری ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک مجوزہ سرحدی راہداری ہے جو ہندوستان میں گورداسپور میں ڈیرہ بابا نانک کے مقبروں اور پاکستان میں گوردوارا دربار صاحب کرتارپور کو آپس میں ملائے گی۔ 28 نومبر 2018 کو ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے ان دو گردواروں کے درمیان راہداری کی تعمیر کی جانب ایک عظیم قدم اٹھایا تاکہ سکھ یاتریوں کے بغیر ویزہ سفر کو ممکن بنایا جا سکے۔ ایک افتتاحی تقریب کے بعد پاکستان کے علاقے میں تعمیر کا آغاز ہوا اور امید کی جاتی ہے کہ کرتارپور راہداری 2019 میں گورونانک کے 550 ویں جنم دن کے موقع پر مکمل ہو جائے گی۔

کرتارپور صاحب ہندوستانی سرحد سے محض 4 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ ڈیرہ بابا نانک سرحد کی دوسری طرف واقع ہے۔ اگر موسم صاف ہو تو دونوں اطراف واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ تاہم، عام پاکستانی اور ہندوستانی کے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد کے آر پار سفر پر پابندی ہے۔ اس وقت، سرحد کو جانے والا غیر ہموار راستہ کھیتوں کے بیچ میں سے گزرتا ہے۔

گاؤں دودھے کے متاثرہ مرد دیہاتیوں کے بیانات

ٹیم نے گاؤں دودھے کے متاثرہ لوگوں سے ملاقات کی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ مجوزہ کرتارپور راہداری پر کام وزیراعظم عمران خان کے نومبر 2018 میں دربار صاحب کے دورے کے بعد شروع ہوا۔ سادہ کپڑوں میں ملبوس کچھ

حکام آئے اور انہوں نے کچھ مقامات پر زمین کی نشاندہی اور کھدائی کا حکم دیا۔ دیہاتیوں نے الزام عائد کیا کہ اعتماد میں لینا تو دور کی بات، انہیں کسی قسم کی معلومات بھی فراہم نہیں کی گئیں۔ ان کی فصلوں کو تباہ کر دیا گیا اور انہیں ایک پیسہ بھی نہیں دیا گیا۔ جب لوگوں سے پوچھا گیا کہ کیا انہیں آپریشن سے پہلے کوئی نوٹس دیا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ 'ہمیں فصلوں کی کٹائی سے محض ایک دن پہلے، اور بعض کیسز میں، چند گھنٹے پہلے مطلع کیا گیا۔ مزدوروں نے ٹھیکے دار کی نگرانی میں، انہیں دھمکاتے ہوئے، فصلوں اور راستے میں آنے والی ہر شے کو بلڈوزروں کی مدد سے تباہ کرنا شروع کر دیا۔' ان کے مطابق، اب تک حکومت تقریباً 1500 ایکڑ اراضی اپنے قبضے میں لے چکی ہے۔

ایک کسان جس کی زمین پر حکام نے بلڈوزر پھیر دیا تھا کا کہنا ہے کہ 'حکام جو کچھ کر رہے ہیں اسے زمین کا حصول نہیں کہہ سکتے۔ یہ محض اسلحے کے زور پر زمین چھیننے کے مترادف ہے۔' ابتدائی طور پر، ٹھیکے دار بلڈوزروں اور کرینوں کے ساتھ پہنچے اور فصلوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا، اور جب مالکان نے مزاحمت کی تو کچھ افراد، جو خود کو فوج کے اہلکار بتاتے تھے، نے مقامی لوگوں کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے جاری کام میں مزاحمت کی یا رکاوٹ پیدا کی تو انہیں سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے۔

ٹیم کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ دو دیہات کوٹھے خورد اور کوٹھے کلاں کے مکینوں کو گھر خالی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ راہداری کی تعمیر کے لیے دیہات مکمل طور پر مسمار کر دیے جائیں گے۔

لوگوں نے ٹیم کو بتایا کہ ماضی میں سکھ برادری سے تعلق رکھنے والے افراد نے ان سے رابطہ کیا تھا اور زمین خریدنے کی بات کی تھی تاکہ وہ گوردوارے تک رسائی کے لیے ایک راستہ

تعمیر کرسکیں۔ انہوں نے فی ایکڑ 50 لاکھ کی پیشکش کی تھی۔ کسانوں نے ان کی اس پیشکش کو مسترد کردیا تھا کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ زمین کی فروخت ان کے مفادات کے خلاف ہوگی۔ اب وہ اپنے اس فیصلے پر پچھتاتے ہیں کیونکہ حکومت ان کی زمینوں کو بلا معاوضہ یا نہایت سستے داموں حاصل کرنا چاہتی ہے۔

جب لوگوں سے یہ پوچھا گیا کہ آیا انہوں نے اپنے خدشات کے اظہار کے لیے حکام سے رابطہ کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ دیہاتیوں نے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ انہوں نے

متاثرہ دیہات کی خواتین نے بھی ایسی ہی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ 'ہم اپنے آبائی گھروں اور اپنے بزرگوں کی قبروں کو نہیں چھوڑیں گے چاہے اس کے لیے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ ہم نے سیلابوں اور جنگوں کا مقابلہ کیا لیکن کبھی بھی اس زمین کو نہیں چھوڑا۔ ہم نے اس زمین کے لیے اپنا خون دیا ہے۔ کوئی یہ کیسے توقع کرسکتا ہے کہ ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں گے؟ کاشتکاری واحد ہنر ہے جو ہم نے برسوں میں سیکھا ہے اور ہم اس کے ماہر ہیں۔ چونکہ ہم ناخواندہ ہیں، ہمیں کہیں بھی ملازمت نہیں ملے گی۔ اگر ہماری زرعی زمینیں ہمیں کوئی متبادل فراہم کیے بغیر چھینی گئیں تو ہم، ہمارے بچے، اور ہمارے مویشی بھوکے مرجائیں گے۔

ڈپٹی کمشنر کے دفتر کا دورہ کرکے انہیں اپنے تحفظات سے آگاہ کیا تھا اور ان سے معاملے میں مداخلت کرنے کی اپیل کی تھی۔ ڈپٹی کمشنر نے صرف اتنا کہا کہ انہیں ان کی زمین اور انہیں ہونے والے نقصان کا معاوضہ دیا جائے گا جبکہ انہوں نے نہ تو کوئی تاریخ دی اور نہ کسی مخصوص رقم کا ذکر کیا۔ ڈپٹی کمشنر نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ انہیں کب اور کیسے معاوضہ دیا جائے گا۔ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ گوردوارا کے گرد ایک میٹنگ کے انعقاد کی توقع کررہے تھے جس میں ڈی سی، اے سی، ضلعی ناظم اور کچھ مقامی سیاسی شخصیات شرکت کریں گی۔ انہوں نے ٹیم کو مزید بتایا کہ محکمہ محصولات کے ایک تحصیل دار نے جگہ کا دورہ کیا تھا اور جب دیہاتیوں نے انہیں جاری کام کے منصوبے کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کو کہا تو اس نے اس حوالے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ضلعی انتظامیہ کے جبر کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے تھے لیکن وہ بے سود ثابت ہوئے۔ انہوں نے میڈیا کے کردار کی بھی شکایت کی جس کی کوریج، ان کے مطابق، منصوبے کے مثبت پہلوؤں تک محدود تھی اور اس نے قوم کو یہ نہیں بتایا کہ یہ منصوبہ لوگوں کے ذریعہ معاش اور رہائش کی قیمت پر انجام دیا جارہا ہے۔

انہوں نے شکایت کی کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں اس معاملے میں کس سے رجوع کرنا چاہیے۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ انہیں اپنے درختوں کے معاوضے کے لیے محکمہ جنگلات، ٹیوب ویلوں کی تباہی کے حوالے سے محکمہ آبپاشی، اور فصلوں کی تباہی اور حاصل شدہ زمین کے حوالے سے محکمہ محصولات سے رابطہ کرنا ہوگا۔ اس صورتحال نے ان میں بے مثال تذبذب اور بے یقینی کو جنم دیا ہے۔

خواتین کے بیانات

متاثرہ دیہات کی خواتین نے بھی ایسی ہی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ 'ہم اپنے آبائی گھروں اور اپنے بزرگوں کی قبروں کو نہیں چھوڑیں گے چاہے اس کے لیے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ ہم نے سیلابوں اور جنگوں کا مقابلہ کیا لیکن کبھی بھی اس زمین کو نہیں چھوڑا۔ ہم نے اس زمین کے لیے اپنا خون دیا ہے۔ کوئی یہ کیسے توقع کرسکتا ہے کہ ہم اس جگہ کو چھوڑ دیں گے؟ کاشتکاری واحد ہنر ہے جو ہم نے برسوں میں سیکھا ہے اور ہم اس کے ماہر ہیں۔ چونکہ ہم ناخواندہ ہیں، ہمیں کہیں بھی ملازمت نہیں ملے گی۔ اگر ہماری زرعی زمینیں ہمیں کوئی متبادل فراہم کیے بغیر چھینی گئیں تو ہم، ہمارے بچے، اور ہمارے مویشی بھوکے مرجائیں گے۔'

1988ء میں تباہ کن سیلاب کے بعد پورا گاؤں زیرآب آگیا تھا اور لوگوں کو تقریباً 20 دن کھلے آسمان تلے گزارنے پڑے تھے۔ سیلاب ان کی فصلوں اور مویشیوں کو بھی بہا لے گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے سب کچھ نئے سرے سے تعمیر کیا۔ انہوں نے اپنے گھر دوبارہ تعمیر کیے، فصلیں دوبارہ کاشت کیں اور مویشی خریدے۔ اب جب ہم ایک طویل جدوجہد کے بعد آباد ہوئے ہیں تو ہمیں حکم دیا جارہا ہے کہ ہم اپنے گھر اور زمین خالی کردیں۔

اس معاملے میں مقامی سیاسی قیادت کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے متاثرہ عورتوں نے کہا کہ وہ حکام کی کٹھ پتلیاں ہیں اور حکام نے انہیں آواز بلند کرنے اور احتجاج کرنے سے خبردار کیا ہے۔ انہیں کہا گیا ہے کہ اگر انہوں نے زمین کی ضبطگی اور فصلوں کی تباہی کے خلاف آواز اٹھائی تو حکام ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے۔ رکن قومی اسمبلی احسن اقبال

نے جگہ کا دورہ کیا اور وہاں موجود سرکاری اہلکاروں سے کہا کہ لوگوں کی شکایات کا ازالہ کیا جائے۔ تاہم، اس دن تک، انہیں نہیں پتہ کہ مسٹر احسن کی استدعا پر کیا کارروائی کی گئی ہے۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر حکومت زمین کے عوض انہیں پیسوں کی پیشکش کرے تو وہ انہیں قبول ہوگی تو انہوں نے کہا" پیسے زمین کا نعم البدل نہیں ہوسکتے۔ زمین نسلوں سے انہیں اور ان کے بچوں کا پیٹ پال رہی ہے۔ اگر حکومت ہماری زمینیں لینے کا فیصلہ واپس نہیں لے سکتی تو وہ ہمیں کسی قریبی علاقہ میں زرخیز زمین لے دے اور ان کی فصلوں اور درختوں کی تباہی کے لیے انہیں مناسب معاوضہ دے۔"

چند ایک بیوہ عورتیں جو واحد والدین کے طور پر اپنے بچے پالنے کے لیے اپنی زمینوں اور مویشیوں پر انحصار کرتی تھیں، تذبذب اور غیر یقینی صورتحال کے باعث تباہ حال تھیں۔ ایک بیوہ عورت نے کہا، 'اگر نو آبادکاری کے سوچے سمجھے منصوبے کے بغیر ہمیں اپنی زمینوں سے محروم کیا جاتا ہے تو ہماری نسل ختم ہوجائے گی۔'

عورتیں جاننا چاہتی تھیں کہ اگر حکومت نے ان کی زمینیں لینے کا منصوبہ بنا لیا تھا تو انہیں گندم کی فصل بونے سے پہلے کیوں نہیں بتایا گیا تھا۔

ڈپٹی کمشنر نارووال کا بیان

اس کے بعد، فیکٹ فائنڈنگ ٹیم نارووال کے ڈپٹی کمشنر (ڈی سی) وحید اصغر سے ملی جو اراضی لینے کے منصوبے کی نگرانی کررہے تھے۔ ان سے ملاقات کا مقصد اس معاملے پر ان کا مؤقف جاننا اور انہیں متاثرہ لوگوں کی شکایات پہنچانا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت پنجاب حصول اراضی ایکٹ 1894 کے سیکشن 4 کے تحت زمین لے رہی ہے اور حکومت فصلوں اور اراضی کا معاوضہ ادا کرے گی۔ مگر وہ معاوضے کی ادائیگی کی کوئی حتمی تاریخ دینے سے قاصر تھے کیونکہ ان کے بقول ابھی تک اس مقصد کے لیے فنڈز جاری نہیں ہوئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ معاوضہ شیڈول ریٹ پر دیا جائے گا۔

انہوں نے کہا وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت نے زمین لی ہے نا کہ ہتھیائی جیسا کہ کئی حلقوں کا دعوی ہے۔ ان کا کہنا تھا کا ابھی تک 1493 ایکڑ اراضی لی گئی ہے؛ متعلقہ

محکموں کی طرف سے پہلے 1100 ایکڑ کا کہا گیا تھا مگر بعد میں 493 ایکڑ کا اضافہ کیا گیا۔

اراضی کے حصول کے طریقہ کار کے بارے میں بتاتے ہوئے، انہوں نے کہا کہ اراضی لینے والی اتھارٹی ضلعی انتظامیہ کو اس حوالے سے ایک باضابطہ درخواست دیتی ہے۔ اراضی لینے والی اتھارٹی سے درخواست وصول کرنے کے بعد، ضلعی انتظامیہ اراضی حصول ایکٹ 1864 کے تحت زمین کے حصول کو یقینی بناتی ہے۔ حالیہ معاملے میں، اراضی حاصل کرنے والی اتھارٹی وزارت مذہبی امور ہے۔ وزارت خارجہ امور، وزارت مذہبی امور، نیسپاک سمیت کئی ایجنسیاں/ ادارے اور کنسلٹنٹ مطلوبہ زمین کی مقدار کا تخمینہ لگانے اور متعلقہ مقام کے تعین کرنے کے عمل کا حصہ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ 1500 لے لی گئی ہے اور امکان ہے مستقبل میں 1500 ایکڑ مزید کی ضرورت پڑے گی۔ انہوں نے پیشن گوئی کی کہ دربار صاحب کے اردگرد ایک چھوٹا شہر بننے جا رہا ہے۔

ڈی سی کہ کہنا تھا کہ زمین ابھی حکومت کے نام پر رجسٹر نہیں ہوئی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمل ابھی مکمل نہیں ہوا۔ مقامی لوگوں جن کی زمین لی جا رہی ہے، کا یہ کہنا غلط ہے کہ انہیں پہلے بتایا اور اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ انہیں پنجاب اراضی حصول ایکٹ 1894 کے تحت آگاہ کیا گیا تھا۔ جب ڈی سی سے پوچھا گیا کہ کیا سیکشن 4 کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو اسے سمجھنے میں آسانی ہو اور لاؤڈ سپیکرز وغیرہ کے ذریعے اعلان کیا گیا تاکہ علاقے کے ناخواندہ لوگوں کو بھی بروقت اطلاع مل جائے، ان کا جواب تھا کہ انہیں اس چیز کا قطعی علم نہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم نے کرتارپور دربار پر کھلے آسمان تلے علاقے کے لوگوں سے ملاقاتیں کی ہیں اور ان کی شکایات سننے کے لیے اپنے دفتر میں بھی ان سے ملے ہیں۔ لوگوں نے بنیادی طور پر پانچ مطالبات سامنے رکھے تھے جن میں سے چار جائز تھے اور پانچویں میں اصل میں انہوں نے کہا ہے کہ حکومت ان پر ایک عنایت کرے۔ کرتارپور کے رہائشی چاہتے ہیں کہ وہاں پیدا ہونے والی ملازمتوں میں انہیں حصہ دیا جائے۔

جب ان سے کہا گیا کہ فصلیں اور درخت بغیر کسی نوٹس کے اکھاڑ دیے گئے ہیں تو ان کا جواب تھا کہ سیکشن 4 جاری ہونے کے بعد متعلقہ اراضی پر نجی حقوق معطل ہو جاتے ہیں۔ اراضی کے مالکان کی شکایات کا جواب دیتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ انہیں شیڈول ریٹ کے مطابق ادائیگی کی جائے گی اور یہ کہ اراضی کے لازمی حصول کی مد میں شیڈول ریٹ میں 15 فیصد اضافہ کیا جائے گا۔ ریٹ کا تعین مقامی لوگوں کی قوت خرید کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ منصوبہ شروع ہونے کے نتیجے میں اراضی کی قیمتوں میں جو اضافہ ہوتا ہے، اسے زمین کی قیمت کا اندازہ لگاتے وقت مدنظر نہیں رکھا جاتا۔

ڈپٹی کمشنر نے اعتراف کیا کہ متاثرہ لوگوں کو رقم کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی ہے۔ تاہم، انہوں نے کہا کہ وہ اس عمل کو تیز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہ پرامید ہیں کہ متعلقہ لوگوں کو جلد از جلد معاوضہ مل جائے گا۔

دو چھوٹے دیہاتوں کی مسماری اور وہاں کے لوگوں کو بے دخل کرنے کے حکومت کے مبینہ منصوبے کے حوالے سے، ڈی سی نے کہا کہ کوٹھے خرد کے نام سے ایک غیر منصوبہ بند آبادی کو مسمار کیا جائے گا اور وہاں کے رہائشیوں کو اپنی بحالی نو کی کوشش کرنا ہوگی کیونکہ پنجاب حصول اراضی قانون 1894 میں کسی عوامی منصوبے کے نتیجے میں بے دخل ہونے والوں کی آبادکاری کا بندوبست نہیں کیا گیا۔

ٹیم کے مشاہدات

- متاثرہ لوگوں کی ایک بڑی اکثریت کو نہیں بتایا گیا تھا کہ انہیں کب اور کیسے معاوضہ دیا جائے گا۔ صرف چند ایک متاثرین جنہوں ڈی سی دفتر کا دورہ کیا تھا کو بتایا گیا کہ انہیں ان کی زمینوں کا معاوضہ ملے گا۔ کسی قسم کی تاریخ نہیں دی گئی۔
- جن لوگوں کی زمین لی گئی اور دو چھوٹے دیہاتوں کے باشندے جنہیں اپنے گھر خالی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کو راہداری کی تعمیر کے حکومتی منصوبے کے بارے میں مکمل طور پر لاعلم رکھا گیا تھا۔
- متاثرہ لوگوں میں کئی ٹھیکیدار بھی شامل ہیں جو ٹھیکے پر کاشتکاری کر رہے ہیں۔ اس زمین پر راہداری

اور دیگر ضمنی عمارتوں کی تعمیر نے انہیں ان کے واحد ذریعہ روزگار سے محروم کرنے کے علاوہ ان کے سرمائے اور محنت کو بھی ضائع کیا ہے جو انہوں نے ان فصلوں پر لگائی جنہیں تباہ کیا گیا ہے۔
- ٹیم کے مشاہدے میں آیا کہ دربار صاحب کے گردونواح میں بسنے والے لوگ اپنے مستقبل کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند تھے۔

سفارشات

- اراضی حصول قانون 1894 متروک ہو چکا ہے اور ان شہریوں کے بنیادی حقوق کو محفوظ نہیں کر سکتا جن کی زمینیں حکومت لیتی ہے۔ اس قانون پر نظرثانی کرنے اور اسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔
- ایسے بڑے منصوبوں پر کام کرتے وقت لوگوں کے معلومات کے حق کا احترام کیا جائے
- آبادکاری اس وقت تک نہ ہو جب تک منصوبے سے متاثرہ لوگوں کی تسلی کے مطابق وہاں ایک باقاعدہ رائے شماری نہیں ہو جاتی اور ضروری کوائف اکٹھے نہیں کیے جاتے۔
- لوگوں کے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کی خلاف ورزی کا ازالہ کرنے کے لیے ایک شفاف اور مؤثر نظام ہونا چاہیے۔
- کھڑی فصلوں اور درختوں کی تباہی کے لیے مناسب معاوضہ اور کاشتکاری کے لیے متبادل زمین دینے کے لوگوں کے مطالبے پر غور کیا جائے اور اس حوالے سے کرتارپور میں اور اس کے گردونواح میں زرعی زمین کی قیمت میں ممکنہ اضافے کو ضرور مدنظر رکھا جائے۔
- راہداری کی تعمیر کے نتیجے میں ملازمتوں کے جو مواقع پیدا ہوں گے ان میں مقامی لوگوں کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔

فیکٹ فائنڈنگ ٹیم میں اسد جمال ایڈووکیٹ؛ صحافی شیر علی؛ ایچ آر سی پی کے کونسل ممبر راجہ اشرف؛ اور ایچ آر سی پی سٹاف ممبرز طاہرہ حبیب اور ندیم عباس شامل تھے۔

جب ان سے کہا گیا کہ فصلیں اور درخت بغیر کسی نوٹس کے اکھاڑ دیے گئے ہیں تو ان کا جواب تھا کہ سیکشن 4 جاری ہونے کے بعد متعلقہ اراضی پر نجی حقوق معطل ہو جاتے ہیں۔ اراضی کے مالکان کی شکایات کا جواب دیتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ انہیں شیڈول ریٹ کے مطابق ادائیگی کی جائے گی اور یہ کہ اراضی کے لازمی حصول کی مد میں شیڈول ریٹ میں 15 فیصد اضافہ کیا جائے گا۔ ریٹ کا تعین مقامی لوگوں کی قوت خرید کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ منصوبہ شروع ہونے کے نتیجے میں اراضی کی قیمتوں میں جو اضافہ ہوتا ہے، اسے زمین کی قیمت کا اندازہ لگاتے وقت مدنظر نہیں رکھا جاتا۔

عورت مارچ: کیا کوئی نیا بیانیہ تشکیل پا رہا ہے؟

ریاض حسین

گویا لڑکیوں کے چہروں کو تیزاب سے جھلسا دیا جائے اور کوئی اس پر اف تک نہ کہے۔ عجیب منطق ہے! منٹو پر اعتراض اٹھا کہ وہ اپنی کہانیوں کے ذریعے معاشرے کی غلط تصویر پیش کرتا ہے۔ اس پر افسانہ نگار کو کہنا پڑا کہ بھئی، میں تو معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہوں، اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں تو اس معاشرے کا چہرہ بدل دیں۔ مرد حضرات ان پلے کارڈز کی عبارتوں کی تہہ میں اترنا نہیں چاہتے اس لئے کہ ان کے نیچے اندھیرا ہے اور انسان اندھیرے سے ڈرتا ہے۔ خوف تو آئے گا کیونکہ پدری اجارہ داری کو چیلنج کیا گیا ہے۔

جو ملک صنفی امتیاز کے حوالے سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہو، وہاں اگر عورت مارچ ہو گیا تو کون سی قیامت برپا ہو گئی۔ یقین نہیں آتا تو تین ماہ قبل ورلڈ اکنامک فورم کی 'گلوبل جینڈر گیپ انڈیکس' کی رپورٹ اٹھا کر دیکھ لیں۔ پاکستان بین الاقوامی سطح پر یونیورسل ڈیکلیریشن آف ہیومن رائٹس، بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن اور سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ گولز کی توثیق کر چکا ہے جبکہ ملکی سطح پر نیشنل پالیسی فار ڈویلپمنٹ اینڈ ایمپاورمنٹ آف ویمن، پروٹیکشن اگینسٹ ہراسمنٹ آف ویمن ایٹ ورک پلیس ایکٹ، نیشنل پلان آف ایکشن آن ہیومن رائٹس سمیت دیگر کئی قوانین اور اقدامات پر عملداری کا عہد کر چکا ہے مگر اس سب کے باوجود بھی کوئی ٹھوس نتیجہ سامنے نہ آئے تو خواتین کا سڑکوں پر آنے کا جواز موجود ہے۔

عورت مارچ پر تنقید کرنے والوں کو یہ کہہ کر خاموش کروایا جا سکتا ہے کہ وہ محض پلے کارڈز کے الفاظ کی سطحی معنوں میں الجھ کر نہ رہ جائیں۔ یہ نعرے خواتین کو درپیش مسائل کا علامتی اظہار بھی تو ہو سکتے ہیں جو خواتین کے گوناگوں مسائل کی سنگینی واضح کر رہے ہیں۔ آج کی نوجوان نسل سوشل میڈیا پر بھی کچھ اس قسم ہی کی زبان استعمال کرتی نظر آتی ہے۔ زبان کتنی ہی لایعنی اور لغو کیوں نہ ہو، اس کی آڑ لے کر اصل مسئلہ کو چھپایا نہیں جا سکتا، جبکہ یہ زبان تو اتنی لغو بھی نہیں۔ تیس چالیس نعروں میں پانچ سات نعرے روایت سے ہٹ کر سامنے آئے ہیں تو کیا ہوا۔ لہجہ طنزیہ اور اسلوب ظریفانہ ہو جائے تو اصل مسئلہ اوجھل نہیں ہو جاتا بلکہ بعض اوقات اور بھی زیادہ اجاگر ہو جاتا ہے۔ اس لسانی معاملے کو کومک رئیلزم کے کھاتے میں ڈال دیں تو شاید بات سمجھنے میں کچھ آسانی پیدا ہو جائے۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ جب معاشرے کے اجتماعی لاشعور میں ہونے والی گڑبڑ اوپر کی سطح پر آ جاتی ہے تو اسے گرفت میں لانے کے لئے اس طرح کی زبان کے استعمال کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس بات کو نہ بھی مانا جائے تو کم از کم ہم کسی سے اس کے وسیلہ اظہار کا حق نہیں چھین سکتے۔ یعنی سنگین بات لائٹ موڈ میں کیوں نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا اگر 'مجھے کیا معلوم تیرا موزہ کہاں ہے، تیرے اور میرے پھیپھڑے سیم سیم' کہا گیا ہے تو یہ مزاحیہ بات نہیں بن گئی۔ خواتین کے ساتھ صنفی امتیاز، گھریلو تشدد اور جنسی ہراسانی کو ان الفاظ سے بڑھ کر کیسے نمایاں کیا جا سکتا ہے؟

پلے کارڈز میں احتجاج کرنے والی خواتین اور ٹین ایجر لڑکیوں کی معصومانہ مگر حقیقت پسندانہ زبان میں غصے اور جھنجلاہٹ کا رنگ نمایاں سہی مگر اس سے سماجی گھٹن، جبر، صنفی امتیاز اور ہراسانی کے مسائل زیادہ احسن طریقے سے اجاگر ہو گئے۔

زبان کے کئی شیڈز ہوتے ہیں اور اس میں ہر طرح کے نظریات، جذبات، احساسات کو کسی بھی انداز میں بیان کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ جہاں الفاظ کا استعمال بوجوہ نہ کیا جائے وہاں تصویر یا کسی علامت یا میڈیم کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے والے کی بات کو ہر طرح کے

تعصّبات ایک طرف رکھ کر ہمدردی سے سننا شرط ہے۔ اور چونکہ موجودہ کیس میں ہم ایسا نہیں کر سکے اس لئے عورت مارچ میں شریک خواتین ہمیں فحاشی پھیلانے والی گنہگار عورتیں نظر آ رہی ہیں۔ اگر حقوق نسواں کے معاملے پر ہم اپنا مائنڈ سیٹ بدلنے کو تیار نہیں تو پھر سمجھ لیں کہ یہ گنہگار عورتیں درست کہتی ہیں:

یہ ہم گناہگار عورتیں ہیں کہ سچ کا پرچم اٹھا کے نکلیں
تو جھوٹ سے شاہراہیں اٹی ملی ہیں
ہر ایک دہلیز پہ داستانیں رکھی ملی ہیں
جو بول سکتی تھیں وہ زبانیں کٹی ملی ہیں
یہ ہم گناہگار عورتیں ہیں
کہ اب تعاقب میں رات بھی آئے تو یہ نہیں بجھیں گی
کہ اب جو دیوار گر چکی ہے، اسے اٹھانے کی ضد نہ کرنا
یہ ہم گناہگار عورتیں ہیں
جو اہل جبہ کی تمکنت سے نہ رعب کھائیں، نہ جان بیچیں، نہ سر جھکائیں، نہ ہاتھ جوڑیں۔

(بشکریہ: ہم سب)

کمسن ہندو لڑکیوں کا مبینہ اغوا: 'اگر انصاف نہیں ملا تو خود کو گولی مار لوں گا'

ڈہرکی سندھ میں ہندو کمیونٹی سے تعلق رکھنے والی دو بہنوں کے مبینہ اغوا کے خلاف بعض شہروں میں احتجاجی مظاہرے جاری ہیں، پیرکو ڈھرکی کے علاوہ پنو عاقل اور میرپور ماتھیلو میں بھی احتجاج کیا گیا، جن میں لڑکیوں کی بازیابی کا مطالبہ کیا گیا۔ ڈہرکی میں پولیس سٹیشن کے باہر احتجاج کے دوران ان کے والد نے خود پر پیٹرول چھڑک کر خودسوزی کی کوشش کی لیکن لوگوں نے انہیں گھیر کر بچا لیا اور صبر کرنے کی تلقین کی۔ لڑکیوں کے والد ہری لعل کا کہنا ہے کہ 'اگر انصاف نہیں ملا تو خود کو گولی مار لوں گا'۔ ہری لعل درزی کا کام کرتے ہیں۔ ان کے 6 بچے ہیں جن میں سے تین بیٹیاں ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک ہفتہ گزر چکا ہے لیکن مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے اور کوئی ان کی بات سننے کو تیار نہیں ہے۔ 'ہم غریب لوگ ہیں اسی لیے کوئی وڈیرہ یا پولیس ہماری بات نہیں سن رہا حالانکہ ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ پولیس آج نہیں صبح اور صبح کو شام تک ملزمان کی گرفتاری کا کہہ کر ٹال دیتی ہے، ان کی لڑکیوں سے ملاقات تک نہیں کرائی جا رہی، ایک کی عمر 13 سال اور دوسری کی عمر 15 سال ہے۔ دوسری جانب سندھ پولیس کی ایک ٹیم پنجاب کے ضلع رحیم یار خان میں گئی تھی، جہاں سے یہ خبریں آئیں تھیں کہ دونوں لڑکیوں نے تبدیلی مذہب کے بعد نکاح کر لیا ہے۔ خانپور سے ایک وڈیو سامنے آئی تھی جس میں دونوں لڑکیاں سنی تحریک کے دفتر میں موجود ہیں اور سنی تحریک پنجاب کے جنرل سیکریٹری جواد قادری بتا رہے تھے کہ دونوں نے درگاہ بھرچونڈی میں مذہب تبدیل کر لیا ہے جس کے بعد دونوں کا نکاح کرا دیا گیا ہے۔ تاہم دونوں لڑکیوں کے نکاح نامے میں شناختی کارڈ نمبر نہیں تحریر کیا گیا۔ صوبائی وزیر اقلیتی امور ہری رام کشوری لال نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ کچھ گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں جب تک لڑکیاں بازیاب ہو کر بیان نہیں دیتیں اس وقت تک یہ نہیں پتہ چل سکتا کہ حقیقت کیا ہے۔ تاہم ان کا کہنا تھا کہ لڑکیوں کی خانپور منتقلی سے لگتا ہے کہ اس کے پیچھے یقیناً کوئی منصوبہ بندی ہے۔ اسلام آباد ہائی کورٹ میں لڑکیوں کی جانب سے ایک آئینی درخواست بھی دائر کی گئی ہے، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ 'مذہب تبدیلی کے بعد ان کا نام نادیہ اور آسیہ رکھا گیا ہے اور انہوں نے بغیر کسی خوف و خطرے کے مذہب اسلام قبول کیا ہے اب انہیں اور ان کے شوہروں صفدر اور برکت کو تحفظ فراہم کیا جائے۔'

(بشکریہ: بی بی سی اردو)

معاشرے کے ہاتھوں میں کیسے پوسٹر ہیں؟

غازی صلاح الدین

سب سے پہلے ایک اعتراف کہ جسے کوئی اعتراف جرم بھی سمجھے وہ یہ کہ میں خواتین کے اس مارچ میں شامل تھا جو کراچی میں خواتین کے عالمی دن یعنی 8 مارچ کو فریئر ہال کے سبزہ زار پر منعقد ہوا اور یہ اقرار بھی کہ مجھے وہاں ہونا اچھا لگا۔ اس کا ایک جواز میری نظر میں یہ ہے کہ خواتین کی سماجی اور جمہوری آزادی کی تحریک مردوں کی شراکت کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ دراصل یہ تو معاشرے کی ترقی، آزادی اور خوشحالی کا مسئلہ ہے، سو یہ ذمہ داری صرف خواتین پر نہیں چھوڑی جاسکتی۔ یہ مثال دیکھئے چنانچہ کہ میڈیا کی آزادی بھی تو دراصل معاشرے کی آزادی ہے تو پھر اس آزادی کی جدوجہد میڈیا کے کارکن اکیلے کیوں کرتے ہیں؟ یہ کام تو سول سوسائٹی کا ہے کہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرے کہ جن کا حصول صرف ایک ذمہ دار اور آزاد میڈیا کے توسط سے ہی ممکن ہے۔ خیر، بات خواتین مارچ کی ہو رہی ہے۔ اس مارچ میں چند بلکہ صرف انگلیوں پر گنے جانے والے پوسٹر ایسے تھے جن کی معنوی برہنگی نے ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔ خواتین نے جو پلے کارڈ اٹھائے تھے ان پر جائز مطالبات کے ساتھ ساتھ صنفی برابری اور ازدواجی رشتوں کے حوالے سے کافی دلچسپ اور طنزآمیز فقرے بھی شامل تھے۔ میں نے تو وہاں سوچا کہ کوئی ان تمام تحریر شدہ نعروں کو اکٹھا کرے تو ایک یادگار کتاب بن جائے کہ جو معاشرتی تبدیلی کے اہم موڑ کی دستاویز ہو۔ 1968 میں یورپ خاص طور پر پیرس میں نوجوانوں نے جو بغاوت کی تھی تو دیواروں پر لکھے ہوئے ان کے نعرے عوامی ادب کا حصہ بن گئے تھے۔ ان میں بھی بدتمیزی اور نافرمانی اور سرکشی کا بے باک اظہار تھا۔ احتجاج میں اکثر جوش اور غصے کی ملاوٹ تو ہوتی ہے۔

اچھا، وہ جو چند شعلہ فشاں اور چونکا دینے والے پوسٹر تھے تو سچی بات یہ ہے کہ میں انہیں دیکھ کر حیران نہیں ہوا۔ اسی طرح میں ان پر ہونے والے شدید ردعمل سے بھی حیران نہیں ہوا۔ جو موجودہ صورتحال ہے اور اس میں سوشل میڈیا کی بے ہودگی بلکہ غلاظت کا بھی دخل ہے۔ اس میں اظہار اور مطالبوں کی سرحدیں بھی باقی نہیں رہی ہیں۔ ان چند پوسٹروں سے پیدا ہونے والی کشیدگی میں اضافہ ہوا اسی لئے میں نے اپنے کالم کے لئے گزرے ہوئے ہفتے کے موضوع کا انتخاب کیا جیسا کہ میں نے کہا، جو کچھ ہو رہا ہے وہ تو ہونا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ جب کسی اختلافی مسئلے پر دونوں جانب کے انتہا پسند میدان میں اتر آئے ہوں تو مکالمہ نہیں ہوتا۔ ایسی جنگ ہوتی ہے جس میں حقائق اور عقل کا ہتھیار ناکارہ ہو جاتا ہے۔ مکالمہ صرف ایک جانب کے اعتدال پسند، دوسری صف کے اعتدال پسندوں سے کر سکتے ہیں اور ہمارے معاشرے میں ہر سطح پر اس مکالمے کی ضرورت ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں ہے کہ ایک طرف کے انتہا پسند دوسری طرف کے انتہا پسندوں کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ یوں تو وہ ایک دوسرے کے لئے شدید نفرت کا اظہار کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک دوسرے کے وجود کا ضامن بن جاتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کی سیاست کا میں ذکر نہیں کرنا چاہتا اور ذکر نہ کرنے کا معاملہ ہے تو کتنی ہی اور باتیں ہیں کہ جن پر بات نہیں ہوسکتی۔ خواتین کی

اب آپ یہ بتایئے کہ دنیا میں کتنے دوسرے ایسے معاشرے ہیں جن میں غیرت کے نام پر اتنے قتل ہوتے ہیں اور جہاں نوجوان لڑکیوں کو محبت کرنے یا اپنی پسند کی شادی کرنے کے جرم میں ان کے اپنے بھائی اور باپ بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں۔ کاروکاری کے واقعات شاید اسی لئے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں کہ رسم و رواج کی زنجیروں میں بندھی لڑکیاں اب زیادہ تعداد میں بغاوت پر آمادہ ہیں۔ لیکن یہ سوچ کر جسم میں تھرتھری پیدا ہوتی ہے کہ کراچی ایسے نام نہاد روشنیوں کے شہر میں یہ بھی ممکن ہے کہ پسند کی شادی کرنے والے ایک جوڑے کو کوئی جرگہ موت کی سزا سنائے اور اس پر نہایت وحشیانہ انداز میں عمل بھی کیا جائے۔

آزادی کی جدوجہد کسی مارچ اور پوسٹر کی عریانی تک محدود نہیں کی جاسکتی۔ ایک پیچیدگی یہ ہے کہ انٹرنیٹ اور اسمارٹ فون کے اس انقلاب کے بعد کہ جس کے مضمرات کو بھی ہم ابھی سمجھ نہیں پائے ہیں ہمارا تقلید پسند معاشرہ بکھرتا جا رہا ہے اور ہم تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا سے سمجھوتہ کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتے۔

اب آپ یہ بتایئے کہ دنیا میں کتنے دوسرے ایسے معاشرے ہیں جن میں غیرت کے نام پر اتنے قتل ہوتے ہیں اور جہاں نوجوان لڑکیوں کو محبت کرنے یا اپنی پسند کی شادی کرنے کے جرم میں ان کے اپنے بھائی اور باپ بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں۔ کاروکاری کے واقعات شاید اسی لئے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں کہ رسم و رواج کی زنجیروں میں بندھی لڑکیاں اب زیادہ تعداد میں بغاوت پر آمادہ ہیں۔ لیکن یہ سوچ کر جسم میں تھرتھری پیدا ہوتی ہے کہ کراچی ایسے نام نہاد روشنیوں کے شہر میں یہ بھی ممکن ہے کہ پسند کی شادی کرنے والے ایک جوڑے کو کوئی جرگہ موت کی سزا سنائے اور اس پر نہایت وحشیانہ انداز میں عمل بھی کیا جائے۔ بار بار ہم ایسی خبریں پڑھتے ہیں اور چند واقعات تو ایسے ہیں کہ جو اس پورے معاشرے کی بے غیرتی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ آپ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ پوسٹر ہیں جو معاشرہ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہے۔ اور آپ خود فیصلہ کریں کہ اس پوسٹر پر لکھی ہوئی تحریر کتنی شائستہ یا کتنی غلیظ ہے۔

اس وقت جو گفتگو ہو رہی ہے اس کا مرکز خاص طور پر وہ خواتین ہیں جو آزادی اور خودمختاری کی دوڑ میں بہت آگے چلی گئی ہیں۔ عام حالات میں خواتین کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اور مجموعی طور پر خواتین کی حیثیت کیا ہے اس کا اتنا ذکر نہیں ہے۔ موجودہ حالات کے اپنے کچھ تقاضے ہیں لیکن یہ جدوجہد تو برسوں سے جاری ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب مجاز نے ایک نوجوان خاتون سے یہ کہا تھا کہ ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا۔

یہ نظم 1937 میں یعنی 80 سال سے بھی پہلے لکھی گئی تھی اور ترقی پسند روشن خیال تحریک اب کئی منزلیں سر کر چکی ہے۔ فہمیدہ ریاض کے انتقال کو ابھی چند ماہ گزرے ہیں اور ان کی شاعری نے بھی عورتوں کی آزادی کا پرچم بلند کیا۔ دنیا کی بات کرنے کا یہاں موقع نہیں، صرف یہ یاد رہے کہ آزاد مغرب میں بھی ''می ٹو'' کی تحریک نے گزشتہ دو تین سالوں میں معاشرے کو تبدیل کر دیا ہے۔ جیسے ہم پدرشاہی کہیں اس کے قلعے میں شگاف پڑ رہے ہیں۔ ٹرمپ کے امریکہ میں گزشتہ سال نومبر میں ایوان نمائندگان کے انتخابات میں 102 خواتین کامیاب ہوئیں کہ جو ایوان کی تقریباً ایک چوتھائی تعداد ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ ان میں چند سرکش نوجوان خواتین نمایاں ہیں۔ اس ایوان نے جنوری میں اپنی مدت کا آغاز کیا۔ ہمارے لئے سب سے بڑی خبر یہ ہے کہ پہلی بار دو مسلمان خواتین نے بھی حلف اٹھایا۔ ایک فلسطینی خاتون رشیدہ طالب ہیں۔ دوسری کا تعلق صومالیہ سے ہے۔ ان کا نام الہان عمر ہے۔ اب جو فحش پوسٹر کی بات ہے تو رشیدہ صاحبہ نے حلف لینے کے بعد اپنی گفتگو میں ٹرمپ کو منہ بھر کر ماں کی گالی بھی دی۔ کچھ شور مچا۔ ان کی ڈیموکریٹک پارٹی نے بھی برا مانا مگر رشیدہ نے اپنے الفاظ واپس نہیں لئے۔ (بشکریہ: جنگ)

مردانہ ہدایت نامہ برائے عورت مارچ

محمد حنیف

عورتوں نے مارچ کیا اور مردوں کو بلایا تک نہیں۔ نہ کوئی دعوت نامہ نہ کوئی صاحبِ صدر۔ پورے ملک میں کوئی ایک مرد بھی ایسا نہ ملا جسے بلوا کر فیتہ کٹوا لیتیں۔ آغاز میں تلاوت کروا لی ہوتی۔ وہاں پر مردانگی کے جنازے بھی اٹھائے گئے۔ اب جنازے بھی خود اٹھانے اور پڑھانے لگیں تو مرد کا آخر کیا کام رہ گیا۔

چلیں مان لیا کہ عورتوں کے مارچ میں مردوں کا کیا کام لیکن ہمارا دل رکھنے کے لیے کسی جبران ناصر ٹائپ کو بلا لیا ہوتا۔ ہم بھی ٹی وی کے پروگراموں میں جب چھ لوگوں کا پینل ہوتا ہے تو ان میں ایک آدھ عورت ڈال ہی دیتے ہیں۔

اگر پروگراموں میں ایڈجسٹ نہ کر سکیں تو کم از کم وقفے میں جو اشتہار چلتے ہیں ان میں عورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی برتن دھو کر خوشی سے بدحال، کبھی وسیم اکرم کی قیادت میں پرانے داغ نکال کر مست۔

آپ لوگوں کو اگر یہ توقع تھی کہ سال میں ایک ہی تو دن ہے۔۔ سارا سال ٹرٹر کرنے والے مرد اگر ایک دن چپ کر کے گزارنے کی کوشش کریں اور عورت کی بھی سُن لیں تو یہ ہم سے نہ ہوگا۔

اگر کوئی اس بات پر حیران ہے کہ اتنے سارے مرد موزے ڈھونڈنے والی بات پر کیوں برہم ہیں تو انھوں نے نہ صرف مرد کی شناخت، اُن کی مردانگی، بلکہ تحریکِ پاکستان کے

یہی مرد جب ابا کے پیسوں سے خریدے ہوئے موبائل فون پر سارا دن انجان لڑکیوں کی تصویروں پر لائیک مارکر، سارے لفافہ صحافیوں کو 'شٹ اپ کال' دے کر، ملالہ یوسفزئی کے بارے میں ایک بار پھر 'وٹ شی ڈن فار کنٹری' لکھ کر جب تھکا ہارا واپس آئے تو مائکروویو کا بٹن بھی خود دبائے؟! کیا یہ ملک ہم نے اس لیے لیا تھا؟ کیا اسلام نے عورتوں کو اتنے حقوق اس لیے دیے تھے؟
ہمارا تھکا ہارا ہیرو ہمیشہ سے یہ سمجھتا آیا ہے کہ تقریر کرنا، جگت لگانا اُس کا اور صرف اُس کا حق ہے۔ یہ ہیرو نویں جماعت کا انگریزی میڈیم طالب علم بھی ہو سکتا ہے اور ایم اے پاس دفاعی تجزیہ کار بھی۔

مقاصد اور ہمارے مکمل ضابطہ حیات پر حملہ کیا ہے۔

انھوں نے یقیناً کبھی وہ آسمانی صحیفہ نہیں پڑھا جس کا آغاز ہمیشہ اس طرح سے ہوتا ہے کہ 'جب تھکا ہارا مرد گھر واپس آتا ہے۔۔۔'

اب ہو سکتا ہے کہ مرد گھر سے کہیں گیا ہی نہ ہو، مرد مرد ہے، ٹی وی روم سے باتھ روم تک جاتے ہوئے بھی تھک ہار سکتا ہے۔ جب تھکا ہارا مرد گھر واپس آئے اور موزے نظر نہ آنے کی صورت میں پوچھے کہ 'وہ میری جرابیں کدھر گئیں' اور آپ نے کہہ دیا مجھے نہیں پتہ!

اس صورت میں تھکے ہارے مرد کے دل سے یہ آواز نکلتی ہے: 'تجھے نہیں پتہ؟ کیا ماں باپ نے تجھے پڑھایا لکھایا اس لیے تھا۔ اس لیے تجھے اسلام نے اتنے حقوق دیے کہ تو مجھے یہ بتائے کہ مجھے نہیں پتہ کہ تمہارے موزے کہاں ہیں؟ کیا ہم نے یہ ملک اس لیے آزاد کرایا تھا، کیا ہندوؤں اور انگریزوں سے آزادی اس لیے حاصل کی تھی کہ اپنے موزے خود ڈھونڈنے پڑیں!'

یہ کھانا گرم کرنے کا کیا مذاق ہے؟ جب مرد تھکا ہارا واپس آئے اور میرے جیسے کئی مرد ہیں جو آدھا کلو دہی اور ایک کلو ٹماٹر لینے جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ غزوہ ہند پر جا رہے ہیں اور واپس آتے ہیں تو امید کرتے ہیں کہ پھولوں، مسکراہٹوں اور میڈلوں سے اُن کا استقبال کیا جائے۔

مرد سگریٹ کے لیے لائٹر ڈھونڈنے نکلے تو تھک ہار سکتا ہے، اور مرد سے میری مراد چھ سال سے لے کر ستر سال تک کا ہر مرد شامل ہے جس کے مردانہ مذہب کا پہلا اصول یہ ہے کہ کپڑے جہاں اتارو وہیں چھوڑ دو، اگر اٹھا کر الماری میں رکھو گے تو مردانہ مذہب کے دائرے سے اپنے آپ کو خارج تصور کرنا۔

یہی مرد جب ابا کے پیسوں سے خریدے ہوئے موبائل فون پر سارا دن انجان لڑکیوں کی تصویروں پر لائیک مارکر، سارے لفافہ صحافیوں کو 'شٹ اپ کال' دے کر، ملالہ یوسفزئی کے بارے میں ایک بار پھر 'وٹ شی ڈن فار کنٹری' لکھ کر جب تھکا ہارا واپس آئے تو مائکروویو کا بٹن بھی خود دبائے؟! کیا یہ ملک ہم نے اس لیے لیا تھا؟ کیا اسلام نے عورتوں کو اتنے حقوق اس لیے دیے تھے؟

ہمارا تھکا ہارا ہیرو ہمیشہ سے یہ سمجھتا آیا ہے کہ تقریر کرنا، جگت لگانا اُس کا اور صرف اُس کا حق ہے۔ یہ ہیرو نویں جماعت کا انگریزی میڈیم طالب علم بھی ہو سکتا ہے اور ایم اے پاس دفاعی تجزیہ کار بھی۔

عورت مارچ سے سب سے زیادہ سلگی بھی اس لیے کہ عورتوں نے کھل کر جگتیں لگائیں۔ ہمارے تھکے ہارے مردوں میں بھی بڑے انقلابی ہیں لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ ان کے نعرے ان سے بھی زیادہ تھکے ہارے ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیق کی معراج 'تیرے جانثار بے شمار بے شمار' ہے۔

عورت مارچ میں نعروں، مطالبوں اور پوسٹروں کی ایسی نئی بہار دیکھی گئی جو پہلے کسی سیاسی تحریک میں بھی نظر نہیں آئی۔ یہی جگتیں اگر افتخار ٹھاکر لگائے تو 'پرائیڈ آف پرفارمنس' پائے اور عورت لگائے تو ہماری تہذیب کی بنیادیں ہل جائیں۔

بیچارا تھکا ہارا مرد گھر واپس آئے اور عورت کو کھلکھلا کر کسی دوسری عورت کی بات پر ہنستا پائے تو یہی سوچے گا کہ یہ ملک ہم نے اس لیے لیا تھا؟ کیا اسلام نے عورتوں کو۔۔۔۔!

☆☆☆

عورتیں

پسند کی شادی کرنے والا جوڑا قتل

مانسہرہ 4 مارچ 2019ء کوٹھا کرہ میں بھائی نے اپنی بہن اور بہنوئی کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا اور فرار ہو گیا، مقتولین نے چار سال قبل پسند کی شادی کی تھی، پولیس نے دوہرے قتل کا مقدمہ درج کر لیا ہے، مقتولین اور ملزم کا تعلق افغانستان کے صوبے قندوز سے بتایا جاتا ہے۔(نامہ نگار)

سات سالہ بچی سے مبینہ زیادتی

پشاور 15 مارچ 2019ء کو تھانہ انقلاب کے علاقہ غریب آباد میں مقامی مسجد کے پیش امام نے 7 سالہ بچی کو تعویذ کے بہانے بلوا کر مبینہ طور پر جنسی تشدد کا نشانہ بنا ڈالا، پولیس نے بچی کو میڈیکل کیلئے بھجوا دیا جبکہ مولوی کو گرفتار کر کے اس کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ ورثاء نے بتایا کہ اس کی بچی کو مسجد کے مولوی نے تعویذ کے بہانے بلوایا اور کمرے میں لے جا کر اسے جنسی زیادتی کی۔(روزنامہ آج)

'عزت' کے تصور نے دو اور زندگیاں لے لیں

پشاور 6 مارچ 2019ء کو تھانہ متنی کے علاقے اضا خیل میں 'غیرت' کے نام پر ایک جوان سالہ لڑکے اور لڑکی کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔ پولیس نے لڑکی اور لڑکے کے والدین کے خلاف مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر دی ہے، اس ضمن میں رابطہ کرنے پر ڈی ایس پی صدر سرکل فضل واحد خان نے بتایا کہ اضا خیل میں غیرت کے نام پر وزیر گل نامی شخص نے اپنے بیٹے جمشید جبکہ اول گل نامی شخص نے اپنی بیٹی مسماۃ گل جانہ کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا، پولیس کے مطابق ابتدائی تحقیقات میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ مقتول اور مقتولہ کے مابین عرصہ دراز سے تعلقات تھے جس کی بناء پر دونوں کو ان کے اپنے والد نے فائرنگ کر کے قتل کیا، پولیس کے مطابق دونوں کے خلاف مقدمہ درج کر کے مزید تفتیش شروع کر دی گئی ہے۔

(روزنامہ آج)

لڑکا قتل، خاتون نے بھاگ کر جان بچائی

پشاور 9 مارچ 2019ء کو پشاور کے علاقہ پنج کٹھہ میں 'غیرت' کے نام پر جوان سال لڑکے کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا جبکہ خاتون نے بھاگ کر جان بچائی۔ پولیس نے اطلاع ملنے پر کاروائی کرتے ہوئے 2 مبینہ ملزموں کو گرفتار کر لیا جبکہ مرکزی ملزم فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا، سرباز خان ولد ظاہر خان ساکن افغانستان حالیہ رہائش پنج کٹھہ نے رپورٹ درج کراتے ہوئے تھانہ انقلاب پولیس کو بتایا کہ ملزمان احسان اللہ، کامران پسران مرزا اور مرزا ولد محمود خان ساکنان افغانستان حالیہ دوران پورنے اس کے 26 سالہ بیٹے طارق کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا ہے اور ملزمان واردات کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، پولیس کے مطابق مدعی کی رپورٹ پر انہوں نے کاروائی کرتے ہوئے دو ملزمان مرزا اور کامران کو گرفتار کر لیا۔

(روزنامہ آج)

سسرالیوں کے ہاتھوں مبینہ طور پر جھلسنے والی عورت دم توڑ گئی

کمالیہ کمالیہ میں اپنے شوہر اور سسرالیوں کے ہاتھوں جھلسنے والی سعدیہ دم توڑ گئی۔ وہ شورٹ کوٹ کی رہائشی تھی۔ لڑکی کے والد رفیع ظفر نے بتایا کہ سعدیہ کی چار برس قبل علی عمران سے شادی ہوئی تھی اور اس کے ہاں ایک بیٹے کی پیدائش بھی ہوئی۔ علی عمران کمالیہ کا رہائشی ہے۔ رفیع ظفر نے مزید بتایا کہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی سسرالیوں نے اس پر تشدد کرنا شروع کر دیا۔ وقوعہ سے ایک ماہ قبل وہ روٹھ کر اپنے والدین کے گھر آ گئی تھی جبکہ وقوعہ سے ایک دن قبل سعدیہ کے سسرالی اسے منا کر لے گئے۔ گھر لے جا کر 10 مارچ کو علی عمران، اس کے دو بھائیوں عرفان، عدنان اور دو بہنوں نتاشا اور مہوش نے اسے مارا پیٹا اور پھر اسے آگ لگا دی جس سے اس کا جسم جھلس گیا۔ وہ دس روز تک زندگی و موت کی کشمکش میں رہنے کے بعد وفات پا گئی

(اعجاز اقبال)

سڑک ٹوٹ پھوٹ کا شکار

بصیرپور بصیر پور شہر کو تحصیل دیپالپور سے ملانے والی چوبیس کلو میٹر روڈ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہے۔ اس سڑک پر موضع مودا، چورستہ اور دھرمیوالا کے مقام پر گہرے گڑھے پڑ چکے ہیں۔ اس سڑک پر روزانہ سینکڑوں گاڑیاں گزرتی ہیں مگر سڑک کی خراب حالت کی وجہ سے مقامی شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ چوبیس کلو میٹر سفر کئی گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ بارش کے دنوں میں سڑک پر پانی کھڑا ہونے کی وجہ سے ٹریفک معطل ہو کر رہ جاتی ہے جس کے باعث مسافروں اور دیگر مقامی شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گاڑیاں پھنس جاتی ہیں اور گاڑیوں کو نکالنے کے لیے کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ مقامی شہریوں نے ڈی سی اوکاڑہ سے مطالبہ کیا ہے کہ بصیر پور روڈ کے جلد از جلد مرمت کروائی جائے۔ تاکہ شہریوں کے اس دیرینہ مسئلے کا ازالہ ہو سکے۔

(اصغر حسین حماد)

سرکاری سکولوں کے اساتذہ کا احتجاج

حیدرآباد مسائل حل نہ کیے جانے پر سرکاری سکولوں کے اساتذہ سڑکوں پر آ گئے۔ تدریسی عمل معطل ہو گیا۔ گورنمنٹ سکینڈری ٹیچرز ایسوسی ایشن نے مطالبات کے حق میں گورنمنٹ نور محمد ہائی سکول مارکیٹ سے ریلی نکالی جس میں خواتین اساتذہ بھی بڑی تعداد میں شریک تھیں۔ شرکاء نے پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا۔ دوران احتجاج اساتذہ نے سرکاری سکولوں میں تدریسی کا بھی غیر اعلانیہ علامتی بائیکاٹ کیا۔ گسٹا سندھ کی نائب صدر فرخندہ راجپوت، ڈویژنل صدر احمد علی سولنگی، ضلع، جنرل سیکرٹری منیر احمد ہالیپوٹہ اور سٹی کے صدر مبارک علی عباسی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ تعلیم کی ناقص پالیسیوں کی بدولت اساتذہ کو سڑکوں پر آنا پڑا۔ طویل عرصے سے اساتذہ کے مسائل حل کرنے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لیا جا رہا ہے۔ مینجمنٹ لیڈر ملازمین کے معاشی قتل کے مترادف ہے جس سے اساتذہ کا ٹائم سکیل ختم اور ترقیاں بھی متاثر ہو رہی ہیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

عورتوں کے حقوق کے تحفظ پر زور

تربت 8مارچ کوعورتوں کے عالمی دن پر ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران، ایس پی او اور فیملی پلاننگ کے اشتراک سے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں ایچ آر سی پی کے کارکنان کے علاوہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے خواتین وحضرات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ تقریب میں اسکولوں کے طالبات نے بھی خصوصی طور پر شرکت کی۔ ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس کے کوآرڈینیٹر پروفیسر غنی پرواز نے تقریب کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فطری طور پر عورتوں اور مردوں کے حقوق برابر ہیں مگر موجودہ دور میں پدرسری نظام سمیت بہت سی وجوہات کی بنیاد پر ان میں تفریق پیدا کر کے عورتوں کے حقوق کو پامال کیا گیا۔ پدرسری نظام سے پہلے اس دنیا میں عورتوں کی بالادستی قائم تھی گھر بار سمیت زندگی کے ہر معاملے میں عورت بالادست تھی، اسے گھر کے کام کرنے کے ساتھ دیگر ضروریات زندگی کے کام بھی سپرد تھے۔ مدرسری دور میں عورتوں نے بالادستی کے باوجود برابری کی بنیاد پر نظام زندگی کو چلایا اور مردوں پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ مدرسری نظام میں عورت اور مرد دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابر حقوق کے حقدار تھے، جب معاشی نظام میں جدت پیدا ہوئی اور معاشی آلات کا استعمال عورت کے بجائے مرد کے ہاتھ آیا تو مردوں نے عورت کے مقابلے میں طاقت ور بن کر عورتوں کو گھر بٹھالیا اور ان سے غلامانہ طریقہ اپنایا۔ تب مادرسری نظام کے بجائے پدرسری نظام قائم ہوا اور عورتوں کی بالادستی کا خاتمہ کر کے مردوں نے غلبہ حاصل کیا تب عورتوں کے حقوق پامال ہوگئے اور انہیں غلام بنایا گیا۔ انہوں نے کہ انیسویں صدی کے آخر میں عورتوں نے مردوں کی بالادستی کو چیلنج کر کے اپنے حقوق کی آواز بلند کی اور بڑی جدوجہد اور محنت کے بعد بیسویں صدی کے وسط میں اقوام متحدہ سے اپنے حقوق کا عالمی منشور منظور کیا۔ یہ عورتوں حقوق کی جدوجہد میں بہت بڑی کامیابی تھی۔ عورتوں کو اپنے حقوق کے لیے اب بھی بہت جدوجہد کی ضرورت ہے، انہیں اس کے لیئے انتھک محنت کرنی ہے۔ معاشرہ ان کی اہمیت قبول کر کے ان کے حقوق کا تحفظ کرے۔ معروف گائناکولوجسٹ ڈاکٹر نگینہ بلوچ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے سماج میں بدقسمتی سے اب بھی مردوں کی بالادستی قائم ہے۔ اس وجہ سے عورتوں کو کئی طرح کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ آج بھی ہمارے گاؤں اور دیہاتوں میں عورتوں کو صحت کے معاملے میں فیصلہ سازی کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں اپنے خاوند اور گھر کے مردوں کی اجازت کے بغیر مشکل ترین حالات میں بھی اپنا علاج حتیٰ کہ حاملہ عورتیں تکلیف دہ صورتحال میں آپریشن نہیں کرا سکتی۔ یہ معیار ترقی یافتہ سماج کے مقابلے میں پسماندگی کا ثبوت ہے جسے تبدیل کیے بغیر سماج کو برابری کی سطح پر نہیں لایا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان عورتوں کی صحت کے معاملے میں دنیا بھر میں سب سے نچلے درجے پر ہے۔ بلوچستان پاکستان میں بدترین پوزیشن میں ہے اس سے بڑا ظلم عورتوں کے لیے اور کیا ہوسکتا ہے؟ اس صورتحال کو تبدیل کرنے کے لیے عورتوں کو آگے بڑھنا اور آواز اٹھانی چاہیے۔ ایس پی او کے پروگرام منیجر محراب بلوچ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محض باتوں کے بجائے ہمیں عملی طور پر سامنے آکر کھلے دل سے عورتوں کے حقوق کو تسلیم کرنا چاہیے کیوں کہ اس جدید دور میں جب تک عورتیں برابری کی بنیاد آگے نہیں آئیں گی سماج کی ترقی ایک خواب رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس سال 8مارچ کو عورت مارچ کا نام دیا گیا ہے کیوں کہ اب وعدوں اور دعوؤں کا دور نہیں بلکہ عملی دور شروع ہوا ہے۔ اس دور میں جب تک سنجیدگی کے ساتھ کوئی کام نہیں کیا جائے گا اس کے نتائج نہیں نکلیں گے۔ تقریب سے ایچ آر سی پی کارکن شازیہ اختر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ دن عالمی سطح پر عورتوں کی اہمیت اجاگر کرانے کے لیے اقوام متحدہ کی جانب سے مخصوص کیا گیا ہے۔ یہ ایک معمولی دن نہیں بلکہ اس کے پیچھے صدیوں کی جدوجہد اور محنت موجود ہے۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی لڑائی میں مزید وسعت پیدا کریں اور اسے اس حد تک لے جائیں کہ معاشرہ عورت کو ایک مخصوص جنس کے بجائے انسان کے طور پر قبول کرے۔ فیملی پلاننگ کے رہنما حاجی عبدالرشید، فاطمہ، حاجی معیار، عومرحوت، حانی بلوچ، فوزیہ بلوچ، حسناء ناز، شگرانہ بلوچ، سمیع عبدالصمد سمیت دیگر نے خطاب کیا جبکہ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ایچ آر سی پی کی کارکن شہناز شبیر نے سرانجام دیئے۔ اس موقع پر معروف سیاسی شخصیت خان محمد جان، سماجی کارکن فضیلہ عزیز، گل افروز، التازبخی، قدیر لقمان محمد کریم گچکی، بشیر دانش ودیگر بھی موجود تھے۔ (اسداللہ بلوچ)

عورتوں کے حقوق کے حق میں ریلیاں

حیدرآباد 8مارچ کو پاکستان سمیت دنیا بھر میں خواتین کا عالمی دن منایا گیا۔ خواتین کے عالمی دن پر حیدرآباد میں سندھ پولیس، تعلیمی اداروں، سماجی تنظیموں، خواتین ودیگر تنظیموں نے ریلیاں نکالیں۔ تصویری نمائش اور رنگارنگ تقریبات ہوئیں۔ مقررین نے معاشرے کی ترقی میں خواتین کے کردار کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے خلاف ہر قسم کے دباؤ، تشدد کے خاتمے اور ان کے سماجی، معاشی، سیاسی، ثقافتی اور شہری حقوق کے قانونی تحفظ کا مطالبہ کیا۔ سندھ پولیس کے تحت عالمی یوم خواتین پر پولیس ہیڈکوارٹر میں پروقار تقریب ہوئی۔ اس موقع پر مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات پر خواتین کو تعریفی اسناد اور انعامات سے بھی نوازا گیا۔ آئی جی سندھ کا کہنا تھا کہ خواتین کو مضبوط اور بااختیار بنانے کے لیے ہر ممکن اقدام کر رہے ہیں۔ سندھ پولیس میں خواتین کا کوٹہ پانچ سے بڑھا کر دس فیصد کر دیا گیا ہے اور اب خواتین کو کانسٹیبل کے بجائے اے ایس آئی بھرتی کیا جائے گا۔ خواتین اہلکاروں کے لیے پک اینڈ ڈراپ سمیت دیگر سہولتیں بھی فراہم کی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ مرد اور خواتین مل کر کام نہ کریں تو معاشرے کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ایس ایس پی حیدرآباد نے کہا کہ ہمارے معاشرے اور دین اسلام میں خواتین کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ایک خاتون کو تعلیم پورے معاشرے کو باشعور بناتی ہے۔ ایس ایس پی جامشورو نے کہا کہ ہم خواتین کی عزت کی بات کرتے ہیں مگر ان کے حقوق کی بات نہیں کی جاتی۔ تبدیلی کے لیے خواتین کو بااختیار بنانا ہوگا۔ ویمن ایکشن فورم ودیگر خواتین تنظیموں نے شہباز بلڈنگ چوک سے پریس کلب تک عورت آزادی مارچ کیا جس میں امرسندھو، عرفانہ صلاح، عالیہ بخش، مسرت حسین سمیت ہاری، مزدور اور محنت کش خواتین سمیت موٹرسائیکل سوار خواتین بھی شامل تھیں۔ شرکاء نے کہا کہ اقتصادی اور معاشرتی ترقی میں خواتین کی مساوی شراکت داری، صنفی، جنسی امتیاز ختم، گھر، زمین، دفاتر اور کارخانوں میں خواتین کے خلاف ہر قسم کے دباؤ اور تشدد کے خاتمے، سماجی، معاشی، سیاسی، ثقافتی اور شہری حقوق کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے۔ ہوم سندھ یونیورسٹی کے شعبہ آرٹ اینڈ ڈیزائن کے طلبہ نے خواتین مسائل پر تیار کردہ تصاویر کی پریس کلب کے سامنے دیواروں پر نمائش کی جس میں سینکڑوں تصاویر آویزاں کی گئی تھیں۔ نذہت گرلز کالج میں بھی یوم خواتین پر تقریب ہوئی۔ مقررین نے کہا کہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین مردوں سے کسی بھی طور پر پیچھے نہیں۔ ادارہ برائے عوامی اختیار و مساوات کے تحت سیمینار ہوا۔ مقررین نے کہا کہ پاکستانی عورتوں بالخصوص سندھ کی خواتین صلاحیتوں کی کمی نہیں۔ ضرورت انہیں مواقع فراہم کرنے کی ہے۔ جامعہ سندھ کے انسٹی ٹیوٹ آف جینڈر اسٹڈیز کی جانب سے ریسرچ ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن کے تعاون سے سیمینار منعقد کیا گیا۔ اس موقع پر سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر فتح محمد نے کہا کہ خواتین کو عزت، پذیرائی، اہمیت حیثیت اور مواقع فراہم کئے بغیر کوئی بھی معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا۔ خواتین کے عالمی دن کے موقع پر شرکت گاہ کے زیراہتمام سندھی لینگویج اتھارٹی ہال میں ایک سیمینار ہوا جس کے شرکاء نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ خواتین کے حوالے سے بنائے جانے والے قوانین پر عملدرآمد اور خواتین کو تحفظ فراہم کرنے کے علاوہ ان کے مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات کئے جائیں۔ (لالہ عبدالحلیم)

پاکستان میں خواتین کو تشدد سے محفوظ رکھنے کے لیے نظام میں تبدیلی ضروری ہے

لاہور لاہور سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون عاصمہ عزیز کو اس کے شوہر اور اس کے ملازمین نے ان کے سامنے رقص نہ کرنے پر مبینہ طور پر اسے برہنہ کیا، مارا پیٹا، اور اس کے سر کے بال کاٹ دیے۔ جس کے بعد ایمنسٹی انٹرنیشنل جنوبی ایشیا نے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ خواتین کو تشدد سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے نظام میں تبدیلیاں لائے۔ حقوق پر کام کرنے والی اس تنظیم نے اپنے ایک ٹویٹ میں کہا کہ اگرچہ اسے اس بات کی خوشی ہے کہ عاصمہ عزیز پر تشدد کرنے والوں کے خلاف سخت اور فوری کارروائی کی گئی ہے تاہم افسوس کی بات ہے کہ خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ ایمنسٹی کا کہنا ہے کہ ''خواتین کے تحفظ کے لیے نظام کو تبدیل کرنا ضروری ہے، محض انفرادی کیسز کی بنیاد پر کارروائی نہیں کی جا سکتی''۔

شوہر، ملازمین کا جسمانی ریمانڈ

آج عاصمہ کے شوہر اور اس کے ایک ملازم کو چار روزہ جسمانی ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ ان دونوں افراد کو بدھ کے روز اس وقت حراست میں لیا گیا جب ایک ملزم کی بیوی عاصمہ عزیز کی ویڈیو سوشل میڈیا پر پھیلنا شروع ہوئی۔ عاصمہ کا کہنا ہے کہ اس کے شوہر نے شادی کے چار سالوں کے دوران اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا۔ ویڈیو میں عاصمہ نے کہا کہ ''اس نے اپنے ملازمین کے سامنے میرے کپڑے اتارے۔ ملازمین نے مجھے پکڑ کر رکھا اور اس نے میرے سر کے بال کاٹ دیے۔ میرے کپڑے خون آلود تھے۔ مجھے ایک پائپ کی مدد سے باندھا گیا اور پنکھے کے ساتھ الٹا لٹکا دیا۔ اس نے مجھے برہنہ کر کے لٹکانے کی دھمکی دی''۔ 26 مارچ کو درج کرائی گئی ایف آئی آر میں عاصمہ نے کہا کہ اس کے شوہر اور اس کے ملازمین نے اسے رقص نہ کرنے پر تشدد کا نشانہ بنایا۔ پولیس نے بدھ کو اس کے شوہر اور ایک ملازم کو گرفتار کر لیا۔ تفتیشی افسر نے آج ماڈل ٹاؤن کی ضلعی عدالت کے جج کو بتایا کہ شوہر نے اپنی بیوی کا سر مونڈ ھنے کا اعتراف کیا ہے۔ استغاثہ محمد عمران عارف نے عدالت میں پولیس رپورٹ جمع کرائی اور کہا کہ تفتیشی افسر ابھی تک عاصمہ کے بال، بال کاٹنے کے لیے استعمال کی گئی مشین اور اسے مارنے کے لیے استعمال کی گئی چھڑی برآمد نہیں کر سکے۔ استغاثہ نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ ملزموں کے 10 روزہ جسمانی ریمانڈ کی منظوری دے۔ عاصمہ نے ویڈیو میں یہ الزام بھی عائد کیا کہ جب وہ درخواست دائر کرنے کے لیے کاہنہ پولیس اسٹیشن گئی تو افسران نے اسے ایف آئی آر نمبر فراہم کرنے یا اس کا میڈیکل کرانے کی بجائے رقم کا تقاضہ کیا۔ ایس پی ماڈل ٹاؤن محمد علی وسیم نے عاصمہ کے الزامات کا نوٹس لیا تھا اور ڈی ایس پی کو ہدایت کی تھی کہ وہ معاملے کی چھان بین کریں۔ پاکستان جارج ٹاؤن انسٹی ٹیوٹ کے خواتین، امن اور سکیورٹی سے متعلق گوشوارے میں 153 ممالک میں سے 150 ویں نمبر پر ہے، اور یہ دنیا کے خواتین کے لیے بدترین 5 ممالک میں سے ایک ہے۔ 2016ء کے اعداد و شمار کے مطابق، 26.8 فیصد پاکستانی خواتین کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے شوہر کی جانب سے تشدد کا سامنا رہا۔

(انگریزی سے ترجمہ بشکریہ ایمنسٹی انٹرنیشنل جنوبی ایشیا)

ظالمانہ اعداد و شمار: اہم نکات

------ ساحل جو بچوں کے تحفظ پر کام کر رہی ہے اور جنسی زیادتی کے واقعات پر خصوصی توجہ دیتی ہے، گزشتہ دو دہائیوں سے 'ظالمانہ اعداد و شمار' نامی رپورٹس شائع کر رہی ہے جو آن لائن اور شائع شدہ اخبارات کی نگرانی کے ذریعے جمع کیے گئے اعداد و شمار، ساحل کے دفتر میں مفت قانونی امداد کے لیے براہ راست موصول ہونے والے کیسز، اور بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی پر کام کرنے والی دیگر تنظیموں کی جانب سے رپورٹ ہونے والے کیسز پر مبنی ہے۔ یہ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی سے متعلق واحد مفصل اور تازہ ترین تحقیق ہے جسے نہ صرف ملکی اور بین الاقوامی میڈیا اور سول سوسائٹی بلکہ حکومتی محکمے بھی ان بین الاقوامی معاہدوں اور میثاقوں کی رپورٹنگ کے لیے حوالے کے طور پر استعمال کرتے ہیں جن پر حکومت نے دستخط کر رکھے ہیں۔ اس ڈیٹا کا عدالتی مقدمات میں بھی حوالہ دیا جاتا ہے، اس کا قانونی جریدوں میں اندراج کیا جاتا ہے اور یہ دیگر تنظیموں کی ایڈووکیسی مہمات میں بھی کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

موجودہ تصنیف ساحل کی جانب سے بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے رپورٹ ہونے والے کیسز کے منظّم ڈیٹا کے تجزیے میں ایک اور اضافہ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رپورٹ خاص طور پر شراکت داروں اور عام طور پر معاشرے کے لیے معلومات افزا ثابت ہوگی۔ اس سال 'ظالمانہ اعداد و شمار 2018ء' 85 اخبارات (ملکی اور علاقائی) کی نگرانی کے ذریعے مرتب کی گئی ہے۔ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کا ڈیٹا ظاہر کرتا ہے کہ سال 2018ء کے دوران اخبارات میں بچوں کے ساتھ زیادتی کے کل 3832 کیسز رپورٹ ہوئے۔ یہ کیسز چاروں صوبوں، دارالحکومت اسلام آباد کے علاقوں (آئی سی ٹی)، آزاد جموں و کشمیر (اے جے کے) اور گلگت بلتستان (جی بی) سے رپورٹ ہوئے۔ ان کیسز کی تعداد 2017ء کے مقابلے میں 11 فیصد زیادہ ہے۔ 2017ء میں ان واقعات کی تعداد 3445 رہی تھی۔ 2018ء کے دوران روزانہ 10 سے زائد بچے زیادتی کا نشانہ بنے۔ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ زیادتی کے کل 3832 کیسز میں سے 55 فیصد متاثرین لڑکیاں اور 45 فیصد لڑکے تھے۔ اس سال 6 سے 10 سال اور 11 سے 15 سال کی عمر کے افراد میں، لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کو جنسی زیادتی کے خطرے کا زیادہ سامنا رہتا ہے۔ صفر سے 5 سال اور 16 سے 18 سال کی عمر کے افراد میں، لڑکیوں کو بچوں سے جنسی زیادتی کے خطرے کا زیادہ سامنا تھا۔

رپورٹ ہونے والے جرائم کے کیسز کی اہم اقسام میں اغواء کے 923، لڑکوں سے جنسی زیادتی کے 589، جنسی زیادتی کے 537، لاپتا بچوں کے 452، جنسی زیادتی کی کوشش کے 345، لڑکوں سے اجتماعی جنسی زیادتی کے 282، جنسی زیادتی کے 156 اور کم عمری کی شادی کے 99 واقعات شامل ہیں۔ اس سال لڑکوں سے جنسی زیادتی کے واقعات میں 2017ء کے مقابلے میں 61 فیصد اور جنسی زیادتی کے واقعات میں 15 فیصد اضافہ ہوا۔ 2018ء کے دوران کل 3832 کیسز رپورٹ ہوئے۔ ان میں سے 63 فیصد کیسز پنجاب، 27 فیصد سندھ، 4 فیصد خیبر پختونخوا، 3 فیصد دارالحکومت اسلام آباد کے علاقوں، 2 فیصد بلوچستان، اور 34 کیسز آزاد جموں و کشمیر اور 6 کیسز گلگت بلتستان سے رپورٹ ہوئے۔ اس سال کل کیسز میں سے 86 فیصد کے مقدمات درج کرائے گئے، جبکہ 56 کیسز میں پولیس نے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کیا، اور 39 واقعات کے مقدمات درج نہیں کرائے گئے۔ جبکہ 11 فیصد واقعات کے درج ہونے یا نہ ہونے کا اخبارات میں کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ جنسی زیادتی کے بعد قتل کے واقعات میں 2017ء کے مقابلے میں 16 فیصد کمی واقع ہوئی۔ 2017ء میں جنسی زیادتی کے بعد قتل کے 109 واقعات رپورٹ ہوئے تھے۔ 2018ء میں، اخبارات میں اغواء کے کل 1064 واقعات رپورٹ ہوئے۔ ان واقعات میں 79 فیصد لڑکیاں اور 21 فیصد لڑکے متاثر ہوئے۔ اس سال اخبارات میں عمری کی شادی کے کل 130 واقعات رپورٹ ہوئے جن میں 85 فیصد لڑکیاں اور 15 فیصد لڑکے متاثر ہوئے۔ (نامہ نگار)

نادرا سنٹر کے قیام کا مطالبہ

بصیرپور بصیر پور شہر کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ بصیر پور شہر میں مقامی شہریوں کو شناختی کارڈ کے اجراء کے لیے نادرا سنٹر قائم نہیں کیا گیا ہے۔ مقامی شہریوں کو شناختی کارڈ کے اجراء کے لیے بصیر پور سے چوبیس کلومیٹر دور دیپالپور جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ محکمہ نادرا اور محکمہ پوسٹ آفس نے گزشتہ سال پوسٹ آفس بصیر پور میں ایک نادرا کاؤنٹر کا افتتاح کیا تھا مگر اس کاؤنٹر میں صرف پرانے زائد المعیاد شناختی کارڈ بنائے جاتے ہیں اس میں نئے کارڈ کے اجراء کی سہولت فراہم نہیں کی گئی۔ مقامی شہریوں نے چیئرمین نادرا سے مطالبہ کیا ہے کہ بصیر پور میں نادرا سنٹر قائم کیا جائے جس میں شناختی کارڈ سے متعلقہ ہر قسم کی سہولیات میسئر ہوں۔

(اصغر حسین حماد)

پروفیسر کے قتل کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

بہاولپور 20 مارچ کی صبح ایس ای (صادق ایجرٹن) بہاول پور میں ایک طالبعلم خطیب حسین نے شعبہ انگریزی کے سربراہ پروفیسر خالد حمید کو چھری کے پے درپے وار کر کے قتل کر دیا۔ قاتلانہ حملے کے وقت پروفیسر خالد حمید اپنے دفتر میں موجود تھے۔ واردات کے بعد مذکورہ قاتل جائے واردات پر موجود رہا جسے پولیس تھانہ سول لائن نے آلہ قتل سمیت گرفتار کرلیا۔ خطیب حسین نے پولیس کو دیے گئے اپنے بیان میں کہا کہ مقتول پروفیسر یونیورسٹی میں ایک تقریب منعقد کرنا چاہتے تھے جس میں مرد اور خواتین طالبعلموں کو شرکت کرنا تھی۔ تقریب کا اہتمام کالج میں آنے والے نئے طالبعلموں کو خوش آمدید کہنا تھا۔ خطیب حسین نے کہا کہ مجوزہ مخلوط تقریب اس کی نظر میں غیر اسلامی تھی جس وجہ سے اس نے خالد حمید کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ خطیب حسین تحریک لبیک کے نظریے سے متاثر ہے۔ وہ تحریک لبیک کے عہدیدار ظفر شاہ گیلانی سے سوشل میڈیا کے ذریعے رابطے میں تھا۔ پولیس کی تحقیقات کے مطابق، واردات سے ایک دن قبل اس نے ظفر شاہ کو پروفیسر کے قتل کے منصوبے کے بارے میں آگاہ کیا تو ظفر شاہ نے اس کی تائید کی۔ پولیس نے ظفر شاہ گیلانی کو بھی گرفتار کرلیا ہے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے کارکنوں نے سول سوسائٹی کے نمائندوں سے مل کر ایک احتجاج کا اہتمام کیا۔ احتجاجی ریلی ایس ای کالج کے مرکزی دروازہ سے شروع ہوکر پریس کلب پر اختتام پذیر ہوئی۔ شرکائے پلے کارڈز اور بینرز اٹھارکھے تھے جن پر نعرے درج تھے: "پروفیسر کا قتل روشن خیالی کا قتل؛ حکمرانوں نے بویا بے قصور عوام نے کاٹا؛ قتل کے محرکات کا جائزہ لیا جائے؛ انتہا پسندی کا خاتمہ، نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد؛ نصاب میں برداشت اور احترام انسانیت کا مواد شامل کیا جائے۔ احتجاجی مظاہرے میں ایچ آر سی پی کے کارکن جام بشیر احمد، خان گل، سفیر احمد، محمد اسلم، پروگریسو لائرز فورم کے یاسر الطاف ایڈووکیٹ، پیپلز پارٹی شہید بھٹو کے موسیٰ سعید، اور سرائیکی پارٹی کے علامہ اقبال وسیم شامل تھے۔

(جام بشیر احمد)

بجلی کی بندش کے خلاف مظاہرہ

سجاول 20 مارچ کو سجاول کے علاقے میر پور بھورو کے مرکزی لاری اڈے پر درجنوں لوگوں نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ گزشتہ ایک ہفتہ سے ان کے علاقے کی بجلی بند ہے۔ تمام اہل علاقہ کا گرمی سے براحال ہورہا ہے۔ ان کے کاروبار بھی متاثر ہورہے ہیں کیونکہ بجلی کی بندش سے ان کی دکانیں اور چھوٹی صنعتیں بند پڑی ہیں مگر متعلقہ حکام نے اس مسئلے کے حل کے لیے ابھی تک کسی قسم کا اقدام نہیں کیا۔ مظاہرین نے حیدرآباد تا سجاول روڈ بند کردیا جس کی بدولت سڑک کے دونوں طرف گاڑیوں کی قطاریں لگ گئیں۔

(چیتن لال)

خواجہ سراؤں پر قاتلانہ حملہ

پشاور 20 مارچ 2019ء کو پشاور کے نواحی علاقے متھرا میں شادی کی تقریب کے بعد واپسی پر 6 مسلح ملزموں نے خواجہ سراؤں پر اندھا دھند فائرنگ کردی، پولیس نے بروقت کاروائی کرتے ہوئے ملزموں کو اسلحہ سمیت گرفتار کرلیا، پشاور پولیس ترجمان کے مطابق گزشتہ روز خواجہ سراء توفیق اور ریحان عرف نایاب نے رپورٹ درج کرائی کہ وہ رات کو متھرا گڑنگی میں پروگرام کے بعد واپس آرہے تھے کہ اس دوران مسلح افراد نے ان کی گاڑی کو رکنے کا اشارہ کیا تاہم نہ رکنے پر فائرنگ کردی جس میں وہ محفوظ رہے۔ ادھر ایس ایس پی آپریشن ظہور بابر کے نوٹس پر ایس ایس پی دیہی علاقہ جات طارق حبیب کی سربراہی میں ڈی ایس پی دیہی علاقہ جات یاسین خان اور ایس ایچ او متھرا رفیق خان پر مشتمل خصوصی ٹیم نے ملزموں کا سراغ لگا کر مزمل، رسال مصدق، سلمان پسران محمد ایوب، عثمان ولد نور سید ساکنان کانیزہ اور عاصم ولد زرین خان سکنہ شیر آباد کو گرفتار کرلیا۔

(نامہ نگار)

کوہستان ویڈیو سکینڈل کا مدعی قتل کر دیا گیا

ایبٹ آباد 6 مارچ 2019ء کو کوہستان ویڈیو سکینڈل کے مدعی افضل کوہستانی کو ایبٹ آباد کے اڈے پر قتل کر دیا گیا۔ فائرنگ کے دوران دیگر تین افراد شدید زخمی ہوگئے، لاش پوسٹ مارٹم کے بعد ورثاء کے حوالے کردی گئی، 2012ء میں کوہستان کے رہائشی افضل کوہستانی نے میڈیا کو ایک ویڈیو دکھائی جس میں اس کا بھائی رقص کر رہا تھا جبکہ مقامی لڑکیاں تالیاں بجا رہی تھیں، افضل کوہستانی نے دعویٰ کیا کہ جرگے کے حکم پر پانچ لڑکیوں کو قتل کر کے دفنا دیا گیا، سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے اس کیس کا ازخود نوٹس لیتے ہوئے جولائی 2012ء میں تحقیقات کا حکم دیا تھا، افضل کوہستانی 6 مارچ کی شام ایبٹ آباد شہر کے اڈے میں ایک گاڑی میں بیٹھا تھا کہ ایک نامعلوم شخص آیا اور اس نے اندھا دھند فائرنگ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس دوران دیگر لوگوں نے حملہ آور کو پکڑنے کی کوشش کی، حملہ آور نے ان پر بھی فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں صابر حسین، کلیم اللہ اور سید کریم فائرنگ سے شدید زخمی ہوگئے جبکہ حملہ آور فرار ہوگیا۔ زخمی ہسپتال میں زیر علاج ہیں جبکہ پولیس نے مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کردی ہے۔

(نامہ نگار)

امام ٹانک میں پانی کی قلت

ٹانک یونین کونسل گل امام ٹانک کے گاؤں خیبر، غازی، اور اندری میں پینے کے صاف پانی کی شدید قلت پیدا ہوگئی ہے۔ اہلیان علاقہ پانی کی بوند بوند کو ترس گئے، علاقہ مکینوں نے شدید احتجاج کرتے ہوئے حکومت سے فوری نوٹس لینے کا مطالبہ کر دیا۔ ضلع ٹانک کی یونین کونسل گل امام کے گاؤں خیبر، غازی، اور اندری میں پینے کے صاف پانی کیلئے 1990ء میں ایک ٹیوب ویل لگایا گیا تھا جو کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے انتہائی ناکافی ہو چکا ہے، اہلیان علاقہ کا کہنا ہے کہ گنجان آباد علاقہ کیلئے ایک ٹیوب ویل انتہائی ناکافی ہے۔

(روزنامہ آج)

عدم برداشت کے بیج

آئی۔اے۔رحمان

پاکستان بھر میں جاری عدم برداشت کی لہر دیگر مسائل بشمول بیرونی جارحیت کی نسبت ملک کے اہم ترین مفادات اور لوگوں کے ذہنی توازن کے لیے زیادہ خطرے کا باعث ہے۔

بہاولپور کے ایک کالج میں ایک طالب علم نے شعبہ انگریزی کے سربراہ پروفیسر خالد حمید کو قتل کر دیا کیونکہ وہ مرد اور خواتین طالب علموں ایک مخلوط اجتماع جو نئے داخلہ لینے والے طالب علموں کو خوش آمدید کہنے کے لیے منعقد کیا جانا تھا، کو غیر اسلامی سمجھتا تھا۔ یہ ایک ساتھی مسلمان اور استاد کی جان لینے کا نیا بہانہ ہے۔

دو احمدی ڈاکٹروں کو اغواء کے بعد قتل کر دیا گیا اور ان کی نعشوں کو نہر میں پھینک دیا گیا۔ احمدی ڈاکٹروں کے خلاف بربریت، چاہے اس کا سبب ذاتی جھگڑے ہوں، میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

ملک کے نیک اور محبِّ وطن لوگوں کی جانب سے خواتین کے عالمی دن کے موقع پر عورت مارچ میں شرکت کرنے والی خواتین کی گستاخی کے خلاف چلائی گئی تذلیل آمیز مہم شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ ان مردوں کی زہر افشانی کا مرکزی ہدف وہ منتظمین ہیں جنہوں نے مختلف شہروں میں اس تقریب کا انعقاد کیا۔

سندھ کے علاقے گھوٹکی میں ہندو برادری سے تعلق رکھنے والی دو کم سن لڑکیوں کو اغواء کر کے ان کا مذہب تبدیل کیا گیا اور ان کی مسلمان مردوں سے شادی کر دی گئی۔

جو چیز عدم برداشت کی ان شکلوں کو ان کے بارے میں پائے جانے والے عام تاثر سے زیادہ سنگین بناتی ہے وہ یہ ہے کہ تشدد کا نشانہ وہ خواتین اور اقلیتی برادریاں بنتی ہیں جنہیں غیر محفوظ ہونے کی بناء پر اضافی تحفظ درکار ہے۔ اس کے علاوہ، حکومت نے معصوم شہریوں کی زندگیوں اور ذہنی سکون کو لاحق خطرات پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ اس نے نہ تو بہیمانہ قتل کے واقعات کی مذمت کی اور نہ ہی ہجوم کے تشدد پر تشویش کا اظہار کیا، سوائے موخر الذکر واقعے کے جس نے وزیراعظم کو مجرموں کے خلاف کارروائی پر مجبور کر دیا۔

یہ ظاہر کرنا کہ عدم برداشت میں حالیہ اضافے کے ذمہ دار چند پرجوش افراد یا گروہ ہیں بے بنیاد اور خطرناک ہو گا جبکہ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت سیاست اور نظم و نسق میں عقیدے کے مقام کی وضاحت کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس مسئلے کا تمام حکومتوں کو سامنا رہا ہے اور ان میں سے کسی نے بھی ایک مکمل اور طویل المدت تلافی کی کوشش نہیں کی۔

دو کم سن ہندو لڑکیوں کی جبری تبدیلی مذہب کا واقعہ ہی لے لیجیے جو ایک ایسا جرم ہے جو غیر اسلامی بھی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت اس کیس میں کس حد تک جائے گی۔ سندھ کے چند علاقوں میں ایسے مراکز کی موجودگی جو اغواء، تبدیلی مذہب، شادی کے طریق ہائے کار میں مہارت رکھتے ہیں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ مراکز ان جاگیردار سیاستدانوں کی سرپرستی میں پروان چڑھے ہیں جنہیں ملک کی بڑی سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل رہی ہے۔ اگر حکومت تبدیلی مذہب کے ان مراکز کے خلاف کارروائی نہیں کرتی تو یہ جرم کی مرتکب ہو گی۔

جبری تبدیلی مذہب سے متعلق کئی مسائل کا بغور جائزہ لینے اور انہیں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ برصغیر کی خواتین کا اب یہ ماننا ہے کہ جبری شادیوں کے متاثرین کو ان کے والدین/ بہن بھائی کو قبول نہیں کریں گے اور انہیں اپنی تقدیر کے آگے ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ ان میں سے کچھ کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ اگر انہیں ان کے والدین کے حوالے کیا گیا تو انہیں مار دیا جائے گا۔ عدالتیں عام طور پر متاثرین کو ان کے والدین / بہن بھائیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ لڑکیوں کو فیصلہ کرنے کے قابل بنانے کے لیے کسی پناہ گاہ میں چند دن تک قید رکھنا کارگر ثابت نہیں ہوا۔

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ کم عمر لڑکیوں کی شادی اور وہ عمر جس میں کسی لڑکی کے مذہب کی تبدیلی جائز ہے سے متعلق سوالات کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو کم عمری کی شادی اور جبری تبدیلی مذہب سے متعلق نئے بلوں کی حمایت کرنی چاہیے، خاص طور پر اول الذکر کی جس کا آسانی سے نفاذ کیا جا سکتا ہے۔ جبری تبدیلی مذہب کی روک تھام سے متعلق اقدامات قانون نافذ کرنے والے اور عدالتی حکام کے لیے مناسب طور ہر سوچی سمجھی پالیسیوں اور راہنما اصولوں کا بھی تقاضہ کرتے ہیں۔

پروفیسر خالد حمید کا قتل، احمدی ڈاکٹروں کا اغواء اور قتل، اور خواتین کارکنوں کے خلاف حملوں کا جنون چوکیدارانہ سرگرمیوں میں اضافے کو ظاہر کرتا ہے جو کسی مسلمان کی طرف سے اپنے ساتھی مسلمان سے اس کے مذہبی معاملات کی انجام دہی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے کے خود ساختہ حق کا اظہار ہے۔

سی ایم نعیم، جو چار دہائیوں سے زائد عرصے تک شکاگو یونیورسٹی کے ممتاز استاد رہے ہیں، کو اس وقت اپنے کانوں پر یقین نہ آیا جب ان کے دو طلباء نے ان سے نمازیں چھوڑنے کے بارے میں استفسار کیا۔ بہاولپور میں ٹیچر کے قاتلوں اور عورت مارچ کے منتظمین کے خلاف تشدد پر اکسانے والے شکاگو کے چوکیداروں کے ترقی یافتہ نمونے ہیں۔

لیکن چوکیدار بریگیڈ اپنے اخلاقیات کے ضابطے کے نفاذ کی منظوری کہاں سے حاصل کرتی ہے؟ جواب کے لیے ہمیں اس مقام پر واپس جانا ہو گا جب پاکستان نے اسلام کی تشریح کا کوئی طریقہ کار تشکیل دیے بغیر ایک اسلام ریاست بننے کا فیصلہ کیا اور مختلف مکتبہ ہائے فکر کو ریاست کے مذہب کی مختلف طریقوں سے تشریح کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ اجتہاد کو رواج پرستی کے نام پر قربان کر دیا گیا۔ پھر جنرل ضیاء آیا اور اس نے علامہ اقبال کے 1930ء کے مطالبے کو مسترد کر دیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اسلامی فقہ پر 500 سالوں سے طاری جمود کو توڑا جائے اور اسے عرب سامراجیت سے آزاد کرایا جائے۔

پاکستان کا نظم ونسق اب جنرل ضیاء کے 1985 کے آئین کے تحت چلایا جا رہا ہے۔ قدامت پسند رواج پرست جنرل ضیاء کے ریاست کے نافذ کردہ عقیدے کے وژن کے دفاع میں ثابت قدم ہیں جو ان کے خیال میں اصل اور حقیقی اسلام ہے۔ علاوہ ازیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے جنرل ضیاء کی تجویز کردہ حسبہ فورس میں شمولیت اختیار کر لی ہے جس کا مقصد اخلاقی نظم وضبط کا نفاذ تھا، جو ایک ایسا اقدام تھا جسے عدلیہ نے ناکام بنا دیا تھا۔

نجی حسبہ فورس کے اراکین جنگجو انتہا پسندوں کی اسلام کی تشریح، بالخصوص ان کے اس نقطہ نظر سے قوت حاصل کرتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان انفرادی طور پر جہاد کر سکتا ہے۔ یہ جنگجو انتہا پسند مکمل طور پر تکفیر کے نظریے پر انحصار کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک اچھے مسلمان کا حق اور فریضہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کا سر قلم کر دے جو مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہے لیکن مسلمان ہونے کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔

اب تک ریاست رواج پرستوں اور جنگجوؤں کی اسلام کی تشریح کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اگر یہ خود ساختہ زنجیروں کو توڑنا چاہتی ہے تو اسے بین المذاہبی بحث کی حوصلہ افزائی کرنا ہو گی اور ان معاملات میں عقیدے کے کردار کو واضح کرنا ہو گا جو بظاہر اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ڈان)

پاکستان کے دہشت زدہ مسیحی

ڈاکٹر پرویز ہود بھائی

نیوزی لینڈ کی وزیراعظم اور وہاں کے عوام نے ہمارے آگے شائستگی، دردمندی اور دہشت گردی کے خلاف کھڑے ہونے کے سنہری اصول پیش کیے ہیں۔ گزشتہ ہفتے کرائسٹ چرچ کی مساجد میں ہونے والے ہیبت ناک قتلِ عام پر انہوں نے جس ردعمل کا مظاہرہ کیا، اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ کئی ملکوں کو نیوزی لینڈ سے سبق سیکھنے کی ضرورت ہے، اور سب سے زیادہ پاکستان کو۔

سیاہ چادر اوڑھے 38 سالہ وزیراعظم جیسنڈرا آرڈرن اپنے آس پاس کھڑی غمزدہ خواتین سے جب گلے ملیں تو ان کا غم پوری طرح سے عیاں تھا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان ہم سے الگ نہیں۔ مقتولین کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے سادہ انداز میں لیکن سخت لہجے میں کہا کہ 'وہ ہم ہی ہیں'۔ آسٹریلوی قاتل کو مخاطب ہوکر بولیں کہ 'تم نے بھلے ہی ہمیں چنا ہو، مگر ہم تمہیں مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں اور مذمت کرتے ہیں'۔ بغیر بائبل اور خدا کے حوالے کے، آرڈرن نے محض 18 ماہ قبل ہی وزارتِ عظمیٰ کے عہدے کا حلف اٹھایا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ اہم مذہب نہیں دردمندی ہوتی ہے۔

اس واقعے کے بعد ان کا پورا ملک سوگوار تھا۔ اخبارات کے مطابق، حملے کا نشانہ بننے والی 2 مساجد کے باہر اتنی بڑی تعداد میں پھول رکھے گئے کہ گل فروشوں کے پاس گل دستے ختم ہونے لگے، متاثرہ مسلمان خاندانوں کے لیے بڑی تعداد میں عطیات جمع ہوئے، گرجا گھروں میں خصوصی دعائیہ تقاریب کا انعقاد ہوا، جگہ جگہ مقتولین کی یاد میں شمعیں روشن کی گئیں۔ ایک پُرطیش سفید فام کم عمر لڑکا انتہائی دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے اس آسٹریلین سینیٹر کے منہ پر انڈا مارنے میں کامیاب رہا، جس نے کرائسٹ چرچ حملے کا الزام نیوزی لینڈ میں ہونے والی مسلمانوں کی ہجرت پر ڈالا تھا۔ سینیٹر نے فوراً اس لڑکے کو مکا دے مارا جسے وہ نوجوان ہمیشہ اپنے لیے ایک اعزاز سمجھے گا۔

نیوزی لینڈ میں سامنے آنے والے ردعمل کا پاکستان میں ہونے والے کسی بھی قتلِ عام پر ہونے والے ردعمل کے ساتھ موازنہ نہ کریں۔ 2014ء میں آرمی پبلک اسکول پشاور پر تحریک طالبان پاکستان کے حملے کے سوا مجھے کوئی ایک بھی ایسا بربریت سے بھرپور واقعہ یاد نہیں کہ جب عوامی سطح پر غیر معمولی غم وغصہ دیکھنے کو ملا ہو۔

مئی 2010ء میں جب لاہور میں واقع احمدیوں کی 2 عبادت گاہوں میں ایک ہی وقت میں حملہ ہوا جس کے نتیجے میں 94 افراد جاں بحق ہوئے تھے، تب کوئی ردعمل نظر نہ آیا۔ نہ کسی وزیر، نہ کسی سیاستدان یا کسی دوسری اہم شخصیت نے غمزدہ لوگوں کو گلے لگایا۔ اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے احمدی برادری کے پاس نہ جانا بہتر سمجھا۔ تاہم ان کے بڑے بھائی نواز شریف نے انہیں ہمارے 'بھائی بہن' پکارا تو اس کے بعد ان کی اپنی جماعت میں سے ہی اس بیان کی مذمت کی جانے لگی۔ حالانکہ حملے کے ملزمان میں سے جب ایک کو پکڑا گیا اور نہتے عبادت گزاروں نے پولیس کے حوالے کیا تو پھر بھی اسے بعد میں چھوڑ دیا گیا۔

ستمبر 2013ء میں پشاور کے آل سینٹس چرچ پر ہونے والے یکے بعد دیگرے ہونے والے خودکش بم دھماکے زیادہ خوفناک تھے۔ اس حملے کے نتیجے میں 127 افراد کی موت ہوئی یعنی کرائسٹ چرچ میں ہونے والی ہلاکتوں کے مقابلے میں اڑھائی گنا زیادہ۔ اس موقعے پر قومی رہنماؤں کی جانب سے پُرخلوص انداز میں دردمندی کا اظہار سامنے نہیں آیا۔ بم حملے کا نشانہ بننے والے چرچ کے باہر کھڑے عمران خان نے زندہ بچ جانے والوں سے کہا کہ ان پر یہ مصیبت امریکی ڈرون حملوں کی وجہ سے آئی۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے مزید حملوں سے بچنے کے لیے پاکستان کو تحریک طالبان پاکستان (جس نے گرجا پر حملے کی ذمہ داری قبول کی تھی) سے مذاکرات کرنے چاہیے۔

ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ پاکستان کی اقلیتوں، احمدی، مسیحی، ہزارہ، ہندو، شیعہ، میں سے سب سے بڑی بربریت کا سامنا کس نے کیا؟ اقلیتوں کی مایوسی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مرکزی دھارے سے دوری اور گم نامی کی راہ اختیار کررہی ہیں۔ اس کا اندازہ آج کل پیدا ہونے والے نومولود بچوں کے رکھے جانے والے ناموں سے صاف واضح ہوجاتا ہے۔

مسیحیوں کو ہی لیجیے۔ **1950**ء کی دہائی میں کراچی کے مسیحیوں، بشمول وہ جو میری گارڈن ایسٹ نامی محلے میں قیام پذیر تھے، کے نام عام طور پر بائبل سے ماخوذ ہوا کرتے تھے۔ لڑکوں کے نام جیکب، جوزف، مائیکل، پاؤل، پیٹر، رابرٹ وغیرہ رکھے جاسکتے تھے۔ لڑکیوں کے نام اکثر و بیشتر میری، پاؤلین، ریچل، ریتا، رتھ، وغیرہ ہوتے۔ مگر اب زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا، مسیحی والدین تحفظ چاہتے ہیں۔ لہٰذا ایمان، حنا، اقبال، مریم، نوید، صائمہ، شفقت، شہباز جیسے نام رکھے جاتے ہیں۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے غیر محفوظ ماحول میں اپنے تحفظ کے لیے بھیس بدل کر رہا جاتا ہے۔

مگر رواں ماہ کے اوائل میں، ایک خوش باش شادی شدہ مسیحی جوڑے اور ان کے تین بچوں کے لیے نام کا یہ فریب بھی ان کے کام نہ آیا، ان کے اہلِ خانہ کے تمام افراد کے نام مسیحیوں کے مخصوص ناموں سے الگ تھے۔ (ڈان کی پالیسی کے مطابق ریپ متاثر کا نام ظاہر نہیں کیا جاتا) انہیں اپنے اوپر آنے والی مصیبت کا علم نہیں تھا۔ ان کے اسلام آباد کے ایک محلے میں ایک جنسی شکاری نے بیوی کا پیچھا کیا لیکن خاتون نے اسے جھڑک دیا۔ ہاتھ میں پستول تھامے اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ وہ شخص بعد میں ان کے گھر میں گھس آیا اور خاتون کو اغوا کرکے لے گیا۔ پولیس نے ابتدائی طور پر ایف آئی آر درج کرنے یا اس خاتون کو بازیاب کروانے سے انکار کردیا لیکن بالآخر دباؤ پڑنے پر حرکت میں آئی۔

دو ہفتوں بعد پریشان حال اور چکرائی ہوئی خاتون کو دارالامان منتقل کیا گیا۔ اس کے جسم میں گہرے زخم واضح طور پر دیکھے جاسکتے تھے، خاتون نے بتایا کہ اسے پورے 10 دنوں تک ریپ کیا جاتا رہا۔ پولیس نے طبی تحقیقات کروانے کی شوہر کی درخواست مسترد کردی کیونکہ ایک دستخط شدہ شواہد کے مطابق اس خاتون نے اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ اب اغوا کار کی بیویوں میں سے ایک تھی۔

چونکہ وہ خاتون دوبارہ قانونی طور پر مسیحی نہیں بن سکتی، اس لیے مسئلہ بہت زیادہ سنگین ہوگیا ہے۔ اس امر کو اہم سمجھا جاسکتا ہے اور نہیں بھی کہ خاتون پر تبدیلی مذہب پر دستخط دباؤ ڈال کر دستخط کروائے گئے تھے۔ بلاشبہ عدالتوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا۔ مگر اس قسم کے مقدمات کی سست رفتاری کی وجہ سے فیصلہ آنے میں مہینوں سے لے کر برسوں تک بھی لگ سکتے ہیں۔ دوسری طرف خاتون کا خاندان روپوش ہے جبکہ شکار خور آزادانہ طور پر گھوم پھر رہا ہے۔

چلیے ایک قدم پیچھے کی طرف لیتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے غور وفکر کرتے ہیں۔ 22 کروڑ کی آبادی میں جرم کی سنگین مثالیں تو لازمی ہوں گی، اب ایک واحد مثال کو لے کر وسیع تر فیصلہ دینا ٹھیک نہیں۔ اس سے زیادہ ایک پرکھنے کا قابل بھروسہ طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ ارد گرد کے لوگوں کی جانب سے ہمدردی کا مظاہرہ کس حد تک دیکھنے کو ملتا ہے اور ایک مذہبی اقلیت معاشرے میں خود کو کس طرح دیکھتی ہے۔ افسوس کے ساتھ اس معاملے میں بھی صورتحال کچھ اچھی نہیں۔

گزشتہ ہفتے (16 مارچ) کو اسلام آباد پریس کلب پر حالیہ اغوا کاری کے خلاف احتجاجی ریلی میں محض چند درجن افراد نظر آئے جن میں زیادہ تر مسیحی تھے۔ ایک کے بعد دوسرے، ہر مقرر نے یہ دعویٰ کیا کہ مسیحی اس قسم کی بدسلوکی کے مستحق نہیں کیونکہ 'ہم بھی پاکستان کے لیے لڑے تھے'۔ جیسے کہ 'قائد کے پاکستان' اور ان کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کے لیے ان کی اپیلیں غیر معقول اور قابل رحم ہوں۔ مگر ہمیں ان مایوس لوگوں سے صورتحال میں کچھ بہتری لانے کی کوششوں کے لیے چُن چُن کر ان باتوں کی یاددہانی کروانے کی شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ پاکستان کی اقلیتیں اکثریت کے پاؤں تلے زندگی گزارتی ہیں اور جانتی ہیں کہ وہ سچ نہیں بول سکتے۔

اگر امید کی ایک کرن نظر آئی تو وہ اسلام آباد کے اُسی محلے سے ایک تنہا داڑھی والے امام کے وجود سے آئی۔ انہوں نے قرآن مجید کی آیت 'لا اکراہ فی الدین' (دینِ اسلام میں کوئی زبردستی نہیں ہے) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مذہب کی جبراً تبدیلی اسلام کے خلاف ہے۔ اب یہ سوچ ستاتی ہے کہ اس ایک سطر کی یہ دلیل اس خاندان کا غم کس حد تک کم کرے گی۔ جیسے جیسے پوری دنیا میں نفرت کی عمارتیں تیزی سے کھڑی کی جارہی ہیں، ویسے ویسے شدت کے ساتھ اپنے آس پاس ان لوگوں کی تلاش شروع ہوجاتی جو ان عمارتوں کو گرانے کے لیے پیار اور ہمدردی کو اوزار کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔ میں پُرامید ہوں کہ کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی دن جیسنڈا آرڈرن کا نام نوبل امن انعام کے لیے نامزد کرنے کا سوچے گا اور میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ کسی نہ کسی دن پاکستان کو بھی ان جیسا ہی کوئی وزیراعظم نصیب ہوگا۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ڈان)

پاکستان: ختم نہ ہونے والی جبری گمشدگیاں

"ہمیں مسلسل ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر ہم احتجاج بند کر دیں، اور جبری گمشدگیوں کے خلاف جدوجہد ختم کر دیں اور گھر پر بیٹھ جائیں تو ہمارے بابا واپس آجائیں گے"۔ ہدایت اللہ کی بیٹی سسوئی لوہار جن کے والد کو 17 اپریل 2017 کو نصیر آباد، سندھ سے جبری طور پر لاپتا کر دیا گیا۔

اپریل 2017 میں، اسکول ٹیچر (ہیڈ ماسٹر)، لوہار اور سندھ کے سیاسی کارکن ہدایت اللہ لوہار کو اسکول سے لاپتا کر دیا گیا جہاں وہ پڑھاتے تھے۔ انہیں پولیس وردی اور سادہ کپڑوں میں ملبوس افراد سرمئی رنگ کی ڈبل کیبن گاڑی میں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ تب سے حکام نے ان کے ٹھکانے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

چشم دید گواہوں کی موجودگی کے باوجود، ان کے خاندان کو لاڑکانہ ہائی کورٹ میں پٹیشن دائر کرنا پڑی جس میں کہا گیا کہ عدالت علاقے کی پولیس کو ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دے۔

ہدایت اللہ لوہار سندھ کے 'لاپتا افراد' میں سے ایک ہیں۔ ان کا خاندان ان کی گمشدگی سے اب تک صبر کے ساتھ عدالتوں کے ذریعے اور سڑکوں پر سچ اور انصاف کا تقاضہ کر رہا ہے۔ ان کی بیٹیاں، سسوئی اور سورت سندھ میں جبری گمشدگیوں کے خلاف مہم کی قیادت کر رہی ہیں۔ ہدایت اللہ لوہار کا کیس جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن میں بھی درج کیا گیا تھا اور تحقیقاتی کمیشن کی جانب سے قائم کی گئی مشترکہ تحقیقاتی ٹیم (جے آئی ٹی) کمیشن کے حکم پر صوبے میں متعدد سماعتیں منعقد کر چکی ہے لیکن یہ سب بے اثر ثابت ہوئی ہیں۔ جے آئی ٹی سرکاری شراکت داروں، بشمول وزارت داخلہ، پولیس حکام، وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) اور انٹیلی جنس ایجنسیوں پر مشتمل ہے۔

پاکستان میں جبری گمشدگیاں

جبری گمشدگیاں ایک طویل عرصے سے پاکستان کے انسانی حقوق کے ریکارڈ کو داغدار کر رہی ہیں۔ مختلف حکومتوں کی جانب سے جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے کے وعدوں کے باوجود، قانون سازی کے حوالے سے بہت کم پیش رفت ہوئی ہے جبکہ لوگوں کو سزا سے استثنا کے ساتھ مسلسل لاپتا کیا جا رہا ہے۔

جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن (سی او آئی ای ڈی) کے پاس اس وقت 2178 کیسز زیر التوا ہیں۔ کمیشن کی حالیہ ماہانہ رپورٹ کے مطابق، جنوری 2019 میں 48 کیسز نمٹائے گئے، جن میں 46 افراد کا سراغ لگایا گیا جن میں سے 29 اپنے گھروں کو واپس آ گئے، 10 افراد حراستی مراکز میں پائے گئے، پانچ دہشت گردی کے الزام میں جیلوں میں قید ہیں اور دو کو 'مردہ افراد' کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے جبری یا غیر رضاکارانہ گمشدگیوں سے متعلق ورکنگ گروپ کے پاس پاکستان کے 700 سے زائد کیسز زیر التوا ہیں۔ متاثرین کے گروہوں کی جانب سے ریکارڈ کیے گئے جبری گمشدگی کے متاثرین کے کیسز کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ متاثرین کے گروہوں اور سول سوسائٹی کو سی او آئی ای ڈی کے مؤثر پن کے حوالے سے شدید تحفظات ہیں، خاص طور پر یہ کہ یہ تحقیقات کرنے اور مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لیے اپنے اختیارات استعمال نہیں کر رہا اور اس کے بورڈ میں سول سوسائٹی یا متاثرین کے گروہوں کی نمائندگی نہیں ہے۔

پاکستان میں جبری گمشدگیوں کا نشانہ بننے والے گروہ اور افراد میں سندھ، بلوچستان، پشتون قوم، شیعہ برادری سے تعلق رکھنے والے افراد، انسانی حقوق کے محافظین، مذہبی اور قوم پرست گروہوں کے اراکین اور حامی، مسلح گروہوں کے مشتبہ اراکین، اور کالعدم مذہبی اور سیاسی تنظیمیں شامل ہیں۔

کچھ کیسز میں، پولیس یا انٹیلی جنس ایجنسیاں لوگوں کو کھلے عام حراست میں لے لیتی ہیں، اور جب ان کے خاندان یہ پتا لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے تو حکام انہیں معلومات فراہم نہیں کرتے۔ کچھ متاثرین کو بعد ازاں رہا کر دیا جاتا ہے یا ان کے خاندانوں کو ان کے ٹھکانے کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے مگر انہیں من مانی حراست بشمول حراستی مراکز میں ہی رکھا جاتا ہے۔ جبری طور پر گمشدہ کیے گئے افراد حراست کے دوران ایذا رسانی اور موت کے خطرے سے بھی دوچار رہتے ہیں۔

حکومتی وعدے

وزیر اعظم عمران خان کی نئی حکومت نے جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ جنوری 2019 میں، وزارت انسانی حقوق نے ایک مسودہ قانون وزارت قانون کو بھجوایا تاکہ ضابطہ تعزیرات پاکستان میں ایک ترمیم کے ذریعے جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دیا جا سکے۔ وزیر انسانی حقوق، شیریں مزاری کا یہ بھی کہنا ہے کہ حکومت تمام افراد کو جبری گمشدگیوں سے تحفظ فراہم کرنے کے بین الاقوامی کنونشن پر دستخط کرنے کی خواہاں ہے۔ اگرچہ جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینا انسانی حقوق کی ان خلاف ورزیوں کے خاتمے کی جانب ایک اہم اور پہلا مثبت قدم ہے، سول سوسائٹی کے گروہوں اور متاثرین کے خاندانوں کے ساتھ مشاورت کو اس عمل کا حصہ نہیں بنایا گیا۔

حالیہ مہینوں میں، لوگوں کی رہائی کی حوصلہ افزا اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ بلوچستان میں جبری گمشدگیوں پر کام کرنے والی انسانی حقوق کی ایک تنظیم، وائس آف بلوچستان مسنگ پرسنز (وی بی ایم پی) نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ اس سال اب تک ان کے پاس درج کرائے گئے لاپتا افراد کے کیسز میں سے 65 جبری گمشدہ افراد کو رہا کیا جا چکا ہے۔

تاہم، جب گمشدہ افراد کو رہا کیا جاتا ہے تو انہیں یا تو خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ میڈیا سے بات نہیں کریں گے اور

احتساب کا مطالبہ نہیں کریں گے یا پھر وہ دوبارہ گمشدہ کیے جانے کے خوف کے باعث اپنی گمشدگی کے بارے میں بات کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔اسی لیے، رہا ہونے والے متاثرین اوران کے خاندان انصاف کا تقاضہ کرنے کی حالت میں نہیں ہوتے۔

ہدایت اللہ لوہار کی اہلیہ کا کہنا ہے کہ ''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگیاں ایک لمحے میں قید ہوکر رہ گئی ہیں اور آگے نہیں بڑھ رہیں۔ہم اپنی زندگیوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، میرے بچے شادی نہیں کرسکتے،ان کی زندگیاں منجمد ہوکر رہ گئی ہیں''۔

خاندانوں کی ہراسانی

لاپتا افراد کے خاندانوں کو اکثر دھمکایا اور ہراساں کیا جاتا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کو جو کھلے عام احتجاج کرتے ہیں اور اپنے پیاروں کے لیے انصاف کے حصول کے لیے مہم چلاتے ہیں۔

جبری گمشدگیوں کے خلاف مارچ کے دوران، سسوئی اورسورت لوہار نے اپنی عیدیں دیگر 'لاپتا افراد' کے خاندانوں کے ہمراہ کراچی پریس کلب کے باہر بھوک ہڑتال میں گزاری ہیں۔سسوئی کا کہنا ہے کہ مئی 2018 میں، احتجاج مظاہرین کو پرتشدد طور پر منتشر کرنے کے دوران، ان پر ایک قانون نافذ کرنے والے افسر نے حملہ کردیا۔نومبر 2018 میں، سندھ کے لاپتا افراد کے حوالے سے ہونے والے ایک پرامن مارچ کو سندھ رینجرز اور سادہ کپڑوں میں ملبوس اہلکاروں، جن کے بارے میں خیال ہے کہ وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکار تھے، کی مداخلت کا مسلسل سامنا رہا۔

12 جنوری 2019 کو، سندھ رینجرز نے ہدایت اللہ لوہار کے ایک بیٹے کو کراچی میں ان کی موبائل کی دکان سے سرچ وارنٹ کے بغیر گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ان کی بہنوں اوروالدہ نے مزاحمت کی اورشور مچایا جس کے نتیجے میں پڑوسی جمع ہوگئے اور یوں وہ انہیں گرفتاری سے بچانے میں کامیاب ہوگئے۔اس پورے واقعے کی ویڈیو میں یونیفارم میں ملبوس افراد کو بغیر کسی الزام کی وضاحت کے یہ دعویٰ کرتے ہوئے دیکھا گیا کہ ان کا بیٹا غلط کاموں میں ملوث تھا۔

2017 اور 2018 میں، بلاگر احمد وقاص گورائیہ کے خاندان کو انٹیلی جنس ایجنسیوں نے مسلسل ہراساں کیا۔ 2017 میں، وقاص گورائیہ اور تین دیگر بلاگروں کو 4 جنوری سے 27 جنوری تک جبری طور پر گمشدہ رکھا گیا۔ان پر الزام تھا کہ وہ ایسے فیس بک پیجز چلا رہے تھے جن پر افواج پاکستان کی پالیسیوں پر تنقید کی جاتی تھی۔ وقاص گورائیہ کے والد، لیاقت گورائیہ نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ ان کی مسلسل کڑی نگرانی کی جارہی تھی اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے گھر پر نظر رکھی جارہی تھی۔

ذریعہ معاش سے محرومی

لاپتا افراد کے خاندان شدید نقصان سے دوچار ہوتے ہیں۔وہ اپنے پیاروں کی قسمت یا ٹھکانے کے حوالے سے مسلسل غیر یقینی میں مبتلا رہتے ہیں اوران کی زندگیاں گمشدگی کے باعث شدید متاثر ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر، ہدایت اللہ کی والدہ اپنے لاپتا بیٹے کی گمشدگی کے دوران انتقال کرگئیں۔ مسعود احمد جنجوعہ، جن کا کیس ملک میں جبری گمشدگیوں کے نمایاں ترین واقعات میں سے ایک ہے، کے والدین بھی ان کی گمشدگی کے دوران وفات پاگئے۔ سیاسی کارکن شاہد جونیجو کی والدہ اپنے بیٹے کے بارے میں استفسار کرتی رہیں مگر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں جبکہ ان کا بیٹا اب بھی لاپتا ہے۔ایک اورسندھی کارکن، آفتاب چانڈیو کا خاندان اس کے والد کی میت کے پاس بیٹھا رہا اور مطالبہ کیا کہ آفتاب کو نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔

ہدایت اللہ لوہار کی اہلیہ نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ ''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگیاں ایک لمحے میں قید ہوکر رہ گئی ہیں اور آگے نہیں بڑھ رہیں۔ہم اپنی زندگیوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، میرے بچے شادی نہیں کرسکتے، ان کی زندگیاں منجمد ہوکر رہ گئی ہیں''۔

چونکہ ہدایت اللہ خاندان کا واحد کفیل تھا، متاثرین کے خاندانوں کو نہ صرف اچانک معاشی بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے بلکہ اپنے پیاروں کی قسمت اور ٹھکانے کے بارے میں معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی صحت پر شدید جذباتی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ متاثرین کے خاندانوں کی خواتین جو حق اور انصاف کے لیے مہم چلاتی ہیں انہیں باقاعدگی کے ساتھ، آن لائن اور آف لائن دونوں سطحوں پر صنف پر مبنی ہراسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ لاپتا افراد کے خاندان اپنے پیاروں کی رہائی چاہتے ہیں، وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔سسوئی لوہار نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو بتایا کہ ''لاپتا رشتے داروں کو واپس آنا چاہیے لیکن مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لائے بغیر مکمل انصاف نہیں مل سکتا۔''

ایمنسٹی انٹرنیشنل حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

☆ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ جبری گمشدگی کے رجحان کے خاتمے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

☆ جبری طور پر گمشدہ افراد کے خاندانوں کو ان کے ٹھکانے کے بارے میں فوری طور پر مطلع کیا جائے۔

☆ جبری گمشدگی کے متاثرین کو یا تو فوراً رہا کیا جائے یا پھر اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ انہیں فوری طور پر کسی سول عدالت کے جج کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ ان کی گرفتاری یا حراست کی قانونی حیثیت کو ثابت کیا جاسکے اور اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ آیا انہیں رہا کیا جانا چاہیئے یا نہیں۔

☆ اگر لوگوں کو زیرحراست رکھنا مقصود ہو تو اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ان پر کسی بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ جرم کا الزام ثابت کیا جائے اوران کے حقوق، بشمول شفاف ٹرائل کے حق کا مکمل احترام کیا جائے۔

☆ جبری گمشدگیوں کو جرم قرار دینے سے متعلق مسودہ قانون کے حوالے سے سول سوسائٹی اور لاپتا افراد کے خاندانوں سے مشاورت کی جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جرم کی تعریف ملکی قانون اور بین الاقوامی معیارات کے مطابق کی جائے۔

☆ تمام افراد کو جبری گمشدگیوں سے تحفظ فراہم کرنے کے بین الاقوامی معاہدے کی توثیق کی جائے اور اسے ملکی قانون کا حصہ بنایا جائے۔اس کے علاوہ کنونشن کے آرٹیکل 31 اور 32 کی مطابقت میں اعلامیے جاری کیے جائیں اور افراد اور فریق ریاستوں کی جانب سے اطلاعات وصول کرنے اوران پر غور کرنے کے حوالے سے جبری گمشدگیوں سے متعلق کمیٹی کی استعداد کو تسلیم کرے۔

☆ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ جبری گمشدگی کے الزامات کی فوراً، مکمل، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائیں اور، جہاں خاطر خواہ قابل قبول شواہد موجود ہوں، ان افراد کے خلاف شفاف ٹرائل کے ذریعے قانونی کارروائی کی جائے جن پر مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا شبہ ہو، اس بات سے قطع نظر کہ ان کا عہدہ اور حیثیت کیا ہے یا وہ کس سکیورٹی ایجنسی سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ متاثرہ خاندانوں کو ان گروہوں کے ساتھ وابستہ ہونے، جو جبری گمشدگیوں کے مسئلے کے حل کے لیے کررہے ہیں، اور انتقامی کارروائی کے خوف کے بغیر عوامی مقامات پر پرامن احتجاج کرنے کی آزادی ہو۔

☆ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ خاندان کے افراد سمیت تمام متاثرین کی مؤثر تلافی کی جائے تاکہ انہیں پہنچنے والے نقصان کا ازالہ کیا جاسکے۔

(انگریزی سے ترجمہ: بشکریہ ایمنسٹی انٹرنیشنل)

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1 تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ - 2 ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3 ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4 کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5 کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6 ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7 قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8 ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9 کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10 ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11 (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12 کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13 (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14 (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15 (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16 (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17 (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18 ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19 ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20 (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21 (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22 معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23 (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24 ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25 (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26 (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27 (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28 ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29 (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30 اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق Monthly JEHD-E-HAQ

سالانہ رپورٹ انگریزی میں دستیاب ہے

اردو میں رپورٹ جلد ہی شائع ہوگی

رپورٹ HRCP کی ویب سائٹ پر بھی دیکھی جاسکتی ہے

www.hrcp-web.org

- قانون کی حکمرانی
- قانون کا نفاذ
- بنیادی آزادیاں
- فروغ جمہوریت
- محروم طبقوں کے حقوق
- سماجی اور معاشی حقوق

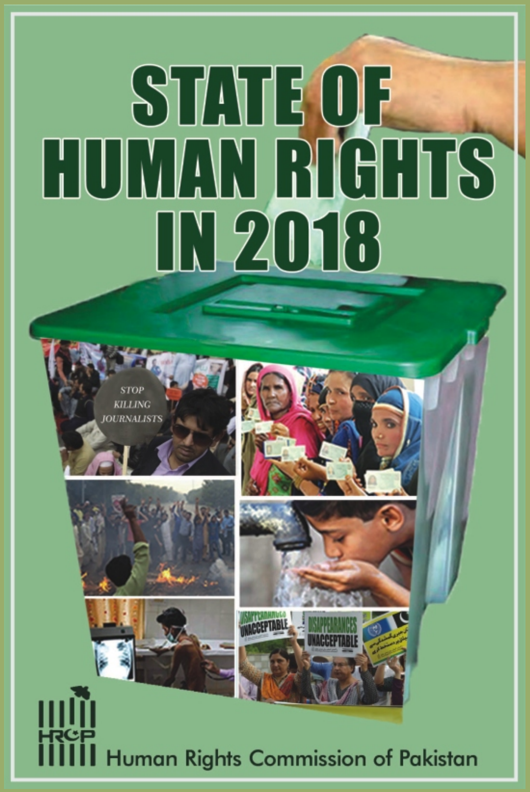

قیمت علاوہ ڈاک خرچ -/550 روپے (اندرون ملک) ...... 9.90 ڈالرز 6.60 پاؤنڈ (بیرون ملک)

اردو میں رپورٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے آرڈر بک کروایئے

قیمت علاوہ ڈاک خرچ -/250 روپے (اندرون ملک) ...... 10 ڈالرز ۔5 پاؤنڈ (بیرون ملک)

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15